

مطالعہ افکارِ مغرب۔ شانزدہم

استشراق اور مستشرقین

ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ

مصطفیٰ حسنی سیامی
ڈاکٹر
متوفی ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۳ء

مترجم

محمد نور الحسن خاں نعیمی ازہری

297.47
1647
15932

کتاب محل

انتشر اقی اور مستشرقین

ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ

مؤلف

ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی

متوفی ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء

مترجم

محمد نور الحسن خاں نعیمی ازہری

کتاب محل

در بار مارکیٹ، لاہور

6986884

2011-12
م 617
۱۵۹۳۲۳
۵-

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	استشراق اور مستشرقین
مؤلف	ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی
طبع اول	۲۰۱۷ء
صفحات	۱۱۲
قیمت	220/-
ناشر	کتاب محل، دربار مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

شرفِ انتساب

پیغمبرِ اسلام کے نام

جن کی دعوتِ حق سے گم گشتگانِ راہِ منزل کو ہدایت نصیب ہوئی۔

ان پاک بازا صحابہ کرام کے نام

جو بلاشبہہ رشد و ہدایت کے ستارے ہیں۔

اسلام کے ان مفکرین کے نام

جن کی انقلابی تحریروں اور تقریروں نے تاریک دلوں کو نورِ ایمان سے منور کیا۔

ان وارثینِ علمِ نبوت کے نام

جن کا قلم ہمیشہ اسلام کی دفاع میں اٹھتا رہا ہے۔

ان متلاشیانِ حق کے نام

جنہوں نے حق کے واضح ہوتے ہی بہ سروچشم اسے تسلیم کر لیا۔

تصوف کے ان علم برداروں کے نام

جن کے روحانی مے کدوں سے ہزار ہا ہزار افراد نے اپنی تشنگی بجھائی۔

نیازِ بخش

محمد نور الحسن خان نعیمی ازہری

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
7	تقدیم: ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم (جامعۃ الازہر، مصر)	۲
10	مقدمہ مترجم	۳
12	مؤلف ایک نظر میں	۴
21	استشراق اور مستشرقین	۵
30	تاریخ استشراق	۶
32	میدان استشراق	۷
32	استشراق کا پس منظر	۸
33	دینی پس منظر	۹
34	سامراجی پس منظر	۱۰
35	تجارتی پس منظر	۱۱
35	سیاسی پس منظر	۱۲
36	علمی پس منظر	۱۳
38	استشراق کے اغراض و مقاصد	۱۴

38	پرفریب علمی مقصد	۱۵
42	دینی اور سیاسی اغراض و مقاصد	۱۶
43	خالص علمی اغراض و مقاصد	۱۷
45	اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے مستشرقین کے اسباب و وسائل	۱۸
48	مستشرقین کے اہم اخبارات و رسائل	۱۹
49	عصر حاضر کے متشدد مستشرقین اور ان کی اہم کتابوں کے اسما	۲۰
58	چند زہر آلود کتابوں کے اسما جو بعض حضرات کے نزدیک علمی حیثیت کی حامل ہیں	۲۱
58	اسلام اور عرب کے موضوع پر مستشرقین کی کتابیں	۲۲
61	مستشرقین کے نزدیک تحقیق کے پیمانے	۲۳
72	یورپ میں مستشرقین سے آمناسامنا	۲۴
84	خلاصہ کلام (مستشرقین کے بارے میں چند اختتامی کلمات)	۲۵
93	مترجم ایک نظر میں	۲۶
111	استشراق کے موضوع پر اہم عربی کتب	۲۷



تقدیم

ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم
ہیڈ آف اردو ڈپارٹمنٹ، فیکلٹی آف ہیومن سٹڈیز
از ہیریونیورسٹی، نصر سٹی، قاہرہ، مصر

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهُ. آمَّا بَعْدُ:
زیر نظر کتاب ”استشراق اور مستشرقین؛ ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ“ اسلام کے ایک
عظیم مفکر ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی کی کتاب ”الاستشراق والمستشرقون ما لهم و
ما عليهم“ کا اردو ترجمہ ہے۔ کتاب اگرچہ صغیر الحجم ہے لیکن نہایت ہی معلومات افزا اور
نفع بخش ہے۔ کتاب کے مؤلف نے استشراق کی تعریف، اغراض و مقاصد اور متعصب
مستشرقین میں سے بعض کا بہت ہی نفیس انداز میں تعارف کرایا ہے اور جن مقامات پر
استشراق پر لکھنے والے حضرات افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں ان مقامات کی نشان دہی
کرتے ہوئے نہایت ہی اعتدال پسندی سے کام لیا ہے۔

عصر حاضر میں استشراق کا موضوع وسیع سے وسیع تر ہو چکا ہے، عرب دنیا میں یہ عام
تصور ہے کہ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی ان اولین قلم کاروں میں سے ہیں جنہوں نے استشراق پر قلم
اٹھایا ہے اور آپ کے بعد بھی اس موضوع پر قلم کاروں کی ایک لمبی فہرست ملتی ہے جنہوں
نے اپنی تحریر کا آغاز ہی استشراق سے کیا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عصر
حاضر میں فکر و نظر کے میدان میں استشراق ایک ایسا مستقل اور دائمی موضوع بن چکا ہے جو
امت مسلمہ کو ہر موڑ پر چیلنج کر رہا ہے۔

قابل مبارک باد ہیں میرے برادر عزیز استاد نور الحسن خان نعیمی (متعلم ڈپارٹمنٹ آف

عقیدہ و فلسفہ، از ہریونی و رسٹی، قاہرہ، مصر) جنھوں نے اس کتاب کے ترجمہ کا انتخاب کیا۔ کیوں کہ عصر حاضر میں بہت سارے عناصر آپ کو ایسے ملیں گے جو اہل مغرب سے اس قدر متاثر ہو چکے ہیں کہ ان کی بڑائیوں اور خوبیوں کے درمیان بلا تفریق و امتیاز کے ان کی ہر بات بہ سر و چشم تسلیم کر لیتے ہیں اور مغربی تہذیب و ثقافت کے اس طرح دل دادہ ہو چکے ہیں کہ اس کی بڑائیاں اور خامیاں نظر ہی نہیں آتی ہیں اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو یک سر نظر انداز کرتے جا رہے ہیں یہاں تک کہ اس کی ہر خوبی خامی نظر آتی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ہماری نئی نسل اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنانے میں عار محسوس کرتی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

یہ صحیح ہے کہ دشمنانِ اسلام نے اسلام کی شبیہ کو بگاڑنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے لیکن بہ حیثیت مسلم ہمارا یہ فریضہ ہے کہ ہم اپنی تہذیب و ثقافت کو عام کریں اور اس کی خوبیوں کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ آخر کیوں ہم اپنی تہذیب و ثقافت کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لیے تدبیریں نہیں کرتے؟ کیا یہ بات ہماری آنکھیں نہیں کھولتی ہے؟ کہ جب ہمارے اسلاف اسلامی تہذیب و ثقافت اور سنت رسول ﷺ کے پابند تھے تو دنیا ان کے قدموں کو بوسہ دے رہی تھی۔ اور جب ہم سنت رسول ﷺ سے منحرف ہو گئے اور غیروں کی تہذیب و ثقافت کو اپنالیا تو پستی اور انحطاط اس طرح دامن گیر ہوئی کہ ہزاروں تدبیروں کے باوجود ترقی کے راستے مسدود نظر آتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک بات نہایت ہی قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ جب بھی ہم اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا دوسرے سے تعارف کراتے ہیں تو یہ بات یک سر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جس کے سامنے تعارف کر رہے ہیں وہ ہماری زبان کو کس حد تک سمجھتا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا اسلوب اور طرزِ بیان موضوع کے مفاہیم و معانی کے فہم و ادراک میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ اس لیے ہم پر ضروری ہے کہ تعارف کراتے وقت ہم دونوں زبانوں پر اچھی گرفت رکھتے ہوں (خواہ وہ میدانِ تقریر ہو یا میدانِ تحریر) اور یہ کتاب اس لحاظ سے بہت ہی مفید ہوگی کہ مترجم دونوں زبانوں پر اچھی گرفت رکھتے ہیں جیسا کہ کتاب اس پر شاہد عدل

ہے، اور اس لحاظ سے بھی نفع بخش ہوگی کہ برصغیر ہندو پاکستان کے اکثر باشندے اردو بولتے اور سمجھتے ہیں نیز اردو دنیا میں استشراق کے موضوع پر ایک نئے باب کا اضافہ کرے گی، کیوں کہ بہت کم ہی افراد ایسے ہیں جو اس موضوع سے دل چسپی رکھتے ہیں یا اس موضوع سے متعلق معلومات رکھتے ہیں۔

میرے عزیز استاد نور الحسن خان نعیمی نے جب اس کتاب کو میرے سامنے رکھا تو مجھے انتہائی خوشی ہوئی (اور دل سے یہی دعا نکلی کہ اے میرے مولا! چند اور افراد ایسے پیدا کر دے جو ہماری اسلامی عربی تراث کا اردو دنیا میں اسی انداز میں تعارف کروا سکیں) اور از ابتدا تا انتہا اردو کتاب کا عربی کتاب سے مقارنہ کیا اور بعض مقام پر مناسب اصلاح بھی کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ترجمہ جہاں مترجم کی عربی عبارات پر فہم دقیق کی طرف اشارہ کرتا ہے وہیں اس پر بھی روشن دلیل ہے کہ مترجم اردو زبان میں اچھے اور سلیس پیرایہ بیان میں عربی عبارات کو منتقل کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہیں، کیوں کہ بعض مقامات پر دوران مقارنہ ایسا محسوس ہوا کہ جملوں کے اعتبار سے بہت پیچیدہ ہیں، لیکن پھر بھی مترجم نے سیاق و سباق کی روشنی میں ایسا سلیس ترجمہ کیا ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مترجم برسوں کا تجربہ کار ہے جب کہ بقول مترجم ”ترجمہ کے باب میں یہ ان کی پہلی کوشش ہے“۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اردو زبان و ادب کے ماہرین نے عربی تراث کی منتقلی میں بہت ہی نمایاں اور گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے لیکن اس موضوع پر استاد نور الحسن خان نعیمی لائق مبارک باد ہیں جنہوں نے اردو دنیا کو استشراق اور اس کے خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

فضل مولیٰ سے امید ہے کہ اردو دنیا میں اس کام کی پذیرائی ہوگی اور موضوع اپنی جدت کی وجہ سے دور رس اثرات چھوڑے گا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مترجم کو اس سلسلے میں مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ مستقبل میں اس طرح کے کام دونوں زبانوں میں باہمی روابط کا مضبوط ذریعہ بن جائیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ 2005-06-22

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ مترجم

الْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ وَ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلَى نَبِيِّهِ وَ عَلَى آلِهِ وَ صَحْبِهِ
أَجْمَعِينَ۔
أَمَّا بَعْدُ:

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ۔ (سورہ آل عمران، آیت: ۱۹)

(بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ کنز الایمان)

اسلام کی ضیاء بارگاہوں نے ہی لوگوں کے دلوں سے کفر و شرک کی تاریکیوں کو ختم کیا اور
اپنی حقانیت کا جھنڈا مشرق و مغرب میں لہرایا، یہ دیکھ کر مخالفین اسلام کو یہ برداشت نہ ہو اور
اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، غیر تو غیر ادیان سماویہ کی اتباع کے دعوے دار بھی ایڑی
چوٹی کا زور لگانے لگے۔ ایک زمانہ تھا کہ جب دشمنان اسلام نے اسلام کو مٹانے کے لیے
جنگی قوتوں کا سہارا لیا تھا تو مجاہدین اسلام کی تلواریں ایسی بے نیام ہوئیں کہ ساری قوتوں کا
خاتمہ ہو گیا۔

لیکن جب یہودی اور عیسائی قوت و طاقت کے بل بوتے پر چم اسلام کو سرنگوں نہ
کر سکے تو اسلام کے خاتمہ کے لیے مکرو فریب کا ایک نیا جال بچھانے کی کوشش میں لگ
گئے اور اسلامی افکار و نظریات اور تاریخ و ثقافت کی تحقیقات کے نام پر اپنے پیش واول کو

اس میدان میں لا کر کھڑا کیا تا کہ تحقیق اور ری سرچ کے پردہ میں اسلام کے بے داغ اور صاف و شفاف چہرے کو داغ دار بنا کر پیش کرنا آسان ہو جائے اور اسلام پر ہرز او یے سے حملہ کیا جاسکے۔

تحقیقات کی اس ابتدا سے افکار و نظریات کی ایسی جنگ چھڑتی ہے جو اب تک چلی آ رہی ہے اور انہیں تحقیقات کے پس پردہ استشراق کا جنم ہوتا ہے یہودی اور عیسائی پیشواؤں کے ذریعہ اسلامی افکار و نظریات کی تحقیقات کا جو عمل شروع ہوا تھا وہ آج مشرق میں موجودہ تمام ادیان کی تحقیقات پر محیط ہو چکا ہے۔

استشراق اور مستشرقین اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے جو یہودیت اور عیسائیت کا سنگم ہے۔ کیوں کہ تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مستشرقین کی اکثریت یہودی اور عیسائی پیشواؤں کی ہے، عصر حاضر میں اگرچہ دونوں مذہب کے پیشواؤں کا طریقہ کار مختلف ہو چکا ہے لیکن یہ اپنے ہدف اصلی (اسلام کی بیخ کنی) کو ایک لمحہ بھی نظر انداز نہیں کرتے ہیں خواہ وہ اسلامی تراث کی تحقیقات کے نام پر استشراقی تحریک ہو یا خدمت انسانی کی نمائش کے نام پر تبشیر (مشرقی) کا جال ہو، ہر جگہ استشراقی اور تبشیری روح کارفرما ہوتی ہے۔

مغربی سیاست دانوں نے جہاں اسلامی سلطنتوں کو توڑا وہیں مغربی مفکرین اور مستشرقین نے اسلامی تراث کی تحقیقات کے نام پر اسلام کی اعلیٰ اقدار و روایات، تہذیب و ثقافت اور اسلام کی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی تعلیمات کا چہرہ ایسا مسخ کر کے پیش کیا کہ غیر تو غیر کچھ اپنے بھی ان کے دام فریب میں گرفتار ہو گئے، جب کہ ان کی تحقیقات ان کی کج فکری، تنگ نظری اور اسلام دشمنی کی آئینہ دار ہیں۔ مستشرقین نے اسلامی تاریخ اور شخصیات اسلام پر ایسی بے بنیاد اور لغو باتیں چپاں کی ہیں جو کہ ایک انصاف پسند محقق کو کسی بھی صورت میں زیب نہیں دیتی ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث طیبہ کی ایسی غلط تشریحات کی ہیں جو ان کی اسلام دشمنی کی غمازی کر رہی ہیں، جن کی ظاہری آرائش کو دیکھ کر مشرق کے کچھ مفکرین

و متقین، امر اور ذرا نہیں ایک حقیقت سمجھ کر مستشرقین کے دام تزویر میں پھنس گئے ہیں۔
ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی کی تالیف کردہ کتاب "الاستشراق و المستشرقون ما
لہم و ما علیہم" (جس کا نام میں نے اردو ترجمہ کے بعد "استشراق اور مستشرقین
ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ" رکھا ہے) مستشرقین کی من مانی تحقیقات کا ایسا پردہ فاش کرتی
ہے کہ وہ رات کی تاریکی میں بھی خوب صاف نظر آتے ہیں، اور ان کے ناپاک عزائم بے
نقاب ہو جاتے ہیں۔ کتاب صغیر انجم ہونے کے باوجود اپنی جامعیت میں جواب نہیں رکھتی
ہے اور یہی سبب ہے کہ عرب دنیا میں اسے ایک مرجع کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی کی شخصیت عالم عرب میں محتاج تعارف نہیں، آپ ایک محقق عالم
تھے، آپ نے ہمیشہ اپنی تحریروں میں غیر جانب دارانہ علمی اور تحقیقی اسلوب اختیار کیا ہے جیسا کہ
آپ کی یہ کتاب خود اس پر بین دلیل ہے۔

مؤلف ایک نظر میں

موقع کی مناسبت اس بات کی متقاضی ہے کہ مؤلف کی حیات و خدمات کے اہم گوشوں
پر روشنی ڈال دی جائے تاکہ قارئین کرام مؤلف کی علمی، تصنیفی، تحقیقی، تبلیغی، سیاسی اور معاشرتی
خدمات سے روشناس ہو سکیں اور مؤلف کی علمی شخصیت قدرے آجا کر ہو سکے۔

آپ کا نام نامی "مصطفیٰ حسنی سباعی" ہے۔ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں آپ کی ولادت
شام کے مشہور تاریخی شہر حمص میں ہوئی۔ آپ کی پرورش ایک ایسے علمی گھرانے میں ہوئی جو
صدیوں تک لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کا مرکز بنا رہا۔ آپ کے والد گرامی حمص کے چند مشہور
علما میں سے ایک تھے جو حمص کی جامع مسجد میں خطیب و امام کے عہدے پر فائز تھے۔

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز حفظ کلام اللہ سے کیا، اور ۱۹۳۰ء میں امتیازی نمبر سے
"ثانویہ" (۱) کی سند حاصل کی۔ آپ کو ایک آفاقی شخصیت بنانے میں اگر ایک طرف مدرسہ کی
تعلیم رہی تو دوسری طرف ان علمی مجلسوں کا غیر معمولی کردار ہے جو آپ کے والد گرامی کی

۱ "ثانویہ" ہندوستان میں انٹرنی ڈگری کے مساوی ہے۔

کی سرپرستی میں مشہور علمائے حمص کی شرکت سے سجا کرتی تھیں، جن میں تشنگانِ علوم و فنون جو ق درجہ آ کر اپنی تشنگی بجھایا کرتے تھے۔

جب لوگ آپ کی عمر اور آپ کی باتوں کا موازنہ کرتے تھے تو یہی کہتے تھے کہ ہے تو بچہ لیکن باتیں بہت اونچی کرتا ہے۔

ملک شام کے سامراجی ماحول اور قوم کے دینی اور سیاسی اختلافات نے آپ کی عقل و شعور کو وہ پختگی بخشی کہ ۱۶ برس کی عمر میں آپ نے ۱۹۳۱ء میں شام کے شہروں میں عیسائی تبلیغ کے لیے قائم کردہ مدارس کی بیخ کنی کے لیے ایک خفیہ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ فرانسسی سامراج کے خلاف اگر ایک طرف سیاسی مجلسوں میں آپ کی زبان کام کرتی تھی تو دوسری طرف سیاسی اخبارات میں آپ کا قلم تلوار کا کام کرتا تھا، اور ملک شام کے چپے چپے میں سامراجیت کا جال بچھانے والا فرانس یہ کب برداشت کرتا، اس لیے فرانسسی سامراج نے آپ کو ۱۶ برس کی ننھی سی عمر میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا۔ لیکن عوام کے مسلسل مظاہروں، فلک شگاف نعروں اور زبردست احتجاج نے سامراجیوں کو ایسا دہلا دیا کہ چند ہی دنوں میں آپ کو رہا کر دیا گیا۔

آپ اپنے والد گرامی کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت فرماتے تھے۔ آپ کی تقریر بہت ہی جوشیلی اور ولولہ انگیز ہوتی تھی، خصوصاً حکومت کے خلاف تو شعلہ جوالہ کا کام کرتی تھی۔ چنانچہ پھر آپ کو اپنی حکومت مخالف تقریر کے جرم میں ۱۹۳۲ء میں جیل کا دروازہ دیکھنا پڑا۔

۱۹۳۳ء میں آپ نے مصر کا سفر کیا اور شہرہ آفاق اسلامی یونیورسٹی ”جامعۃ الازہر الشریف“ کے شعبہ فقہ میں داخلہ لیا لیکن آپ کو یہ شعبہ راس نہ آیا، اس لیے ”جامعۃ الازہر“ ہی کی ایک فیکلٹی ”اصول الدین“ میں منتقل ہو گئے اور ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایسی ذہانت و فطانت اور فہم و ذکاوت عطا کی تھی کہ آپ جہاں بھی رہے آپ کی ایک امتیازی شان رہی۔

جب آپ مصر تشریف لائے تو وہاں بھی آپ کی جوشیلی تقریروں کا سلسلہ بند نہ ہوا بلکہ

یہاں کی مجلسوں، محفلوں اور احباب کے حلقوں میں اکثر و بیش تر ہوتی رہیں جس کے نتیجے میں انگریزی حکومت نے پھر آپ کو گرفتار کیا۔ جب آپ کو اس سے رہائی ملی تو ۱۹۲۱ء میں پھر آپ کو ایک خفیہ تنظیم کے قیام کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ جب آپ کی گرفتاری کو دو ماہ ہو گئے تو مصر میں مقیم برٹش فوج نے آپ کو فلسطین میں مقیم اپنی برٹش فوج کے حوالے کر دیا اور چار ماہ بعد آپ کو رہائی کا پروانہ مل گیا۔ آپ رہائی کے بعد اپنے شہر واپس ہوئے اور فرانسسی سامراج کے خلاف سیاسی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ جب آپ کی سیاسی سرگرمیوں سے سامراج کو خطرہ لاحق ہونے لگا تو سامراجی فوج نے پھر آپ کو گرفتار کر لیا اور بیروت منتقل کر کے لبنان کے قلعہ ”راشیا“ میں قید کر دیا۔ اس گرفتاری میں آپ نے بہت ساری مصیبتوں کا سامنا کیا۔ بھوک پیاس کی شدت بھی برداشت کی اور طرح طرح کی سزاؤں سے بھی آپ کو گزارا گیا، لیکن ان تمام تر صعوبتوں کے باوجود اسلامی غیرت و حمیت اور حب الوطنی آپ کے دل میں شعلہ زن رہی اور آپ نے لبنانی جیل کو اپنی گراں قدر نصیحتوں، لکچرز اور عبادت و ریاضت کی محفلوں سے ایک اسلامی قلعہ بنا دیا۔ قیدیوں کے دلوں میں ایسی اسلامی روح پھونکی کہ سب آپ پر جان نچھا اور کرنے لگے اور اسلام کی ایک ایسی شمع روشن کی کہ سارا قلعہ ظلمت کدہ کے بہ جاے بقعہ نور بن گیا۔

جب آپ قید و بند کی صعوبتوں سے آزاد ہو کر اپنے شہر واپس ہوئے تو ملک شام میں فرانسسی سامراج اور فلسطین میں انگریزی اور یہودی قبضہ کے خلاف کمر بستہ ہو گئے اور شامی عوام کو ایک بار پھر ان کے خلاف اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے ابھارا۔ آپ نے شام و فلسطین کو فرانسسیوں اور یہودیوں کے ناپاک چنگل سے آزاد کرانے کے لیے اپنا خون و پسینہ ایک کر دیا۔ آپ کی پوری توجہ ملک کے سیاسی حالات پر مرکوز ہو گئی اور مصر سے آپ کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ لیکن مجلسوں کی زینت بننے والا مرد مجاہد گھر میں بے کار بیٹھنا کب گوارا کرتا، اس لیے آپ ۱۹۲۲ء میں شہر ”حمص“ میں ”ثانویہ“ کے استاد ہو گئے، کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ آپ شام کے دارالحکومت دمشق منتقل ہو گئے اور اپنے مخلص احباب کی جدوجہد سے ”المعهد

العربی الاسلامی“ کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی پیہم کوششوں سے شام کے متعدد مشہور شہروں درعا، حمص، ادلب اور حلب وغیرہ میں اس کی کئی شاخیں قائم ہو گئیں۔

آپ نے سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ قوم و ملت کی فلاح و بہبود اور غرباء و مساکین کی امداد کے لیے کئی تنظیموں کی بنیاد ڈالی۔ ”الرابطۃ الدینیۃ“، ”جمعیۃ شباب محمد“ اور ”جمعیۃ شبان المسلمین“ آپ ہی کی قائم کردہ تنظیمیں ہیں۔ آپ نے ملک بھر میں فقراء و مساکین کی حاجت روائی کے لیے کئی کمیٹیاں قائم کیں جو زکوٰۃ و صدقات جمع کرتی تھیں اور مستحقین میں تقسیم کرتی تھیں۔ ۱۹۲۶ء میں

۱۹۲۵ء میں آپ نے اپنے آبائی شہر ”حمص“ میں فرانسسی سامراج کے خلاف مسلح انقلابیوں کی قیادت کرتے ہوئے سب سے پہلی فائرنگ کی اور فرانسسی سامراج کے خلاف لاکھوں مظاہرین کی قیادت کی باگ ڈور سنبھالی۔ ۱۹۲۶ء میں فرانسسی سامراج کے انخلا میں ایسا زبردست کردار ادا کیا جس کی شہادت شامی تاریخ آج بھی دے رہی ہے اور صفحات تاریخ پر جو آج بھی ثبت ہے۔

۱۹۲۸ء میں جنگ فلسطین میں شام میں ”اخوان المسلمین“ کے مجاہدین کی سپہ سالاری کرتے ہوئے ایک لشکر جرار لے کر پہنچ گئے اور قبلہ اول کی بازیابی کے لیے مجاہدین کے دوش بہ دوش لڑتے رہے اور اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔ اس جنگ میں آپ نے جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

لوگوں کی نظروں نے جنگ فلسطین میں آپ کو ایک عظیم مجاہد اور سپہ سالار کے روپ میں بھی دیکھا ہے اور ۱۹۲۹ء میں شام میں ایک عظیم سیاست داں کی شکل میں بھی دیکھا ہے۔ شام کی راج دھانی دمشق سے آپ نے پہلی بار الیکشن میں حصہ لیا اور ایسی زبردست اکثریت حاصل کی کہ سارے سیاست داں حیران و ششدر رہ گئے اور اسی سال آپ نے اپنی خدمات کے بل بوتے پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کر لی۔

۱۹۲۹ء میں آپ نے ”جامعۃ الازہر“ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، آپ کے

مقالے کا موضوع ”السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي“ تھا۔ اس رسالے میں آپ کا علمی جوہر جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ دلائل و براہین کے اتنے انبار لگا دیے ہیں کہ مستشرقین حواس باختہ ہو گئے۔ جب آپ کا یہ رسالہ کتابی شکل میں منظر عام پر آیا تو عرب دنیا میں اس کتاب کی زبردست پذیرائی ہوئی اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ عرب دنیا میں اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ عالم عرب میں ڈاکٹر ^{مصطفیٰ حسنی} سباعی کے تعارف کے لیے صرف ان کی اس کتاب کا نام ہی کافی ہے۔ مستشرقین کی طرف سے احادیث نبویہ پر کیے گئے اعتراضات کی رد میں ایسی مسکت اور دندان شکن کتاب ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے مستشرقین اور ان کے تلامذہ کی ایسی سخت گرفت فرمائی ہے کہ آج تک ان سے جواب نہ بن پڑا۔ اس کتاب کے بارے میں سوانح نگاروں کا جملہ ملاحظہ ہو:

”قل نظيره في كل ما كتب في الدفاع عن السنة النبوية“

”احادیث نبویہ کی دفاع میں تالیف کی گئی کتابوں میں اس کی نظیر کم ہی ہے۔“

۱۹۵۰ء میں آپ کو دمشق یونیورسٹی میں ”کلیۃ الحقوق“ میں پروفیسر مقرر کیا گیا اور رفتہ رفتہ آپ اس فیکلٹی کے ہیڈ ہو گئے اور ۱۹۵۵ء میں آپ نے دمشق یونیورسٹی میں ”کلیۃ الشریعة“ (Faculty of Islamic Law) کی بنیاد ڈالی۔

۱۹۵۶ء میں دمشق یونیورسٹی نے آپ کو ایک وفد کے ساتھ یورپ کی یونیورسٹیوں میں دی جانے والی اسلامی تعلیمات کے نصاب کی معلومات کے لیے یورپ بھیجا۔ آپ کا یہ سفر بہت ہی تاریخی سفر تھا۔ اس سفر نے آپ کو بہت ساری معلومات اور تجربات دیے۔ آپ نے یورپ کے اکثر شہروں کی یونیورسٹیوں کا دورہ کیا جن میں ترکی، اٹلی، برطانیہ، ہالینڈ، انگلینڈ، ڈنمارک، ناروے، فرانس اور جرمنی وغیرہ وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر موصوف کی شخصیت ایک ہمہ جہت شخصیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری خوبیوں کا پیکر بنایا تھا۔ موصوف نے فکر و صحافت میں بھی ایک نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسلامی فکر کی نشر و اشاعت اور قوم کی اصلاح و فلاح کے لیے صحافت کو ایک ہتھیار کی

طرح استعمال کیا۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے ماہ نامہ ”المنار“ کی بنیاد ڈالی اور ۱۹۵۵ء میں آپ نے ”الشہاب“ نامی ہفتہ وار اخبار نکالنا شروع کیا، لیکن یہ اخبار ۱۹۵۸ء میں بند ہو گیا۔ ۱۹۵۵ء ہی میں ”المسلمون“ نامی رسالہ جاری کیا اور بعد میں آپ نے اس رسالہ کا نام بدل کر ”حضارة الاسلام“ رکھا۔

ڈاکٹر موصوف ان گنت خوبیوں کے مالک تھے۔ لوگوں کی آنکھوں نے انہیں ایک شعلہ بار خطیب کے روپ میں مسجدوں اور مظاہروں میں بھی دیکھا ہے اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں ایک مبلغ اسلام اور مستشرقین کے ساتھ ایک مناظر کی شکل میں بھی دیکھا ہے۔ کبھی انہیں شام و فلسطین میں انگریزی حکومتوں کا تختہ پلٹتے ہوئے ایک مجاہد کی صورت میں دیکھا ہے تو کبھی انہیں ”جامعۃ الازہر“ کی علمی مجلسوں کی سرپرستی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ موصوف نے تصنیفی، تبلیغی، سیاسی اور صحافتی ہر میدان میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

جب آپ اپنے علمی سفر سے واپس ہوئے تو ۱۹۵۷ء میں ایسی بیماری میں مبتلا ہوئے کہ جس میں آپ کے جسم کا بائیں حصہ شل ہو گیا اور آخری زیت تک اس بیماری سے نجات نہ پاسکے۔

آہ! فکر و قلم کا شہ سوار، اسلام کا نقیب اور شامی مجاہدین کی قیادت کرنے والا سپہ سالار ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۶۴ء بہ روز سنپچر شام کی دھرتی کو داغِ مفارقت دے گیا۔ آپ کے وصال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے عالم عرب میں پھیل گئی۔ ایک طرف سیاست دانوں کا ہجوم تھا تو دوسری طرف علماء و مفکرین کی جماعت تھی۔ جانے والا تو چلا گیا لیکن ساری محفلوں کو خاموش کر گیا۔ سیاست دانوں کو افسوس تھا کہ پارلیمنٹ کے ایوانوں میں گرجتی ہوئی تقریریں کون کرے گا۔ علماء و مفکرین افسردہ تھے کہ ہماری علمی مجلسیں سونی ہو گئیں۔ اب اعدائے اسلام کی سرکوبی کون کرے گا۔ ملک شام کے درودیوار سوگ وار تھے کہ آہ! ہمیں سامراجی جنگل سے آزاد کرانے والا نجات دہندہ چلا گیا اور فقراء و مساکین محزون و غم زدہ تھے کہ ہماری دیکھ بھال کرنے والا نہ رہا۔ ہر چہاں جانب غم و اندوہ کا

سماں قائم تھا اس طرح ایک بہت بڑے انسانی ازدحام کے درمیان آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

موصوف نے اپنی سیاسی اور تبلیغی مصروفیات کے باوجود ایسی علمی اور تحقیقی تصانیف چھوڑی ہیں کہ جو آج بھی عالم عرب میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔
کتابوں کے اسماء درج ذیل ہیں:

- (۱) السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي
- (۲) المرأة بين الفقه والقانون
- (۳) اشتراكية الإسلام
- (۴) من روائع حضارتنا
- (۵) أخلاقنا الاجتماعية
- (۶) دعوة الإسلام واقعية لا خيال
- (۷) الإخوان المسلمون في حرب فلسطين
- (۸) أحكام الصيام وفلسفته في ضوء القرآن والسنة
- (۹) هذا هو الإسلام
- (۱۰) عطاءؤنا في التاريخ
- (۱۱) الاستشراق والمستشرقون ما لهم وما عليهم
- (۱۲) السيرة النبوية دروس وعبر
- (۱۳) شرح قانون الأحوال الشخصية
- (۱۴) هكذا علمتني الحياة
- (۱۵) القلائد من فرائد الفوائد
- (۱۶) دروس في دعوة الإخوان المسلمين
- (۱۷) الصراع بين العقل والقلب

مؤلف کی سوانح پر جو یہ چند سطور میں نے تحریر کی ہیں اس کی ترتیب میں میں نے ان کتابوں کا سہارا لیا ہے جو ملک شام اور مصر میں آپ کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر قلم بند کی گئی ہیں۔

کتاب کے بارے میں بس اتنا ضرور بتانا چاہوں گا کہ اس کی پہلی طباعت ۲۰۱۰ء میں میرے عزیز دوست حافظ محمد شعیب خان نظامی ناظم اعلیٰ دارالعلوم اہل سنت رضویہ، دساوال، سنت کبیر نگر، یوپی، انڈیا کی زیر نگرانی ہوئی تھی۔ کتاب کا موضوع عام موضوعات سے الگ تھا اس لیے اصحابِ فکر و قلم کے حلقوں میں اس کی کافی مقبولیت ہوئی اور ہندوستانی مدارس میں بھی اپنا مقام بنا لیا، چنانچہ کئی مدارس کے نصاب میں اسے بھی جگہ دی گئی۔ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر میرے عزیز کرم گستر عالی جناب محمد رضا الحسن صاحب قادری اس کو اپنے ادارہ دار الاسلام لاہور، پاکستان سے شائع کرنا چاہتے ہیں، موصوف نے کئی بار مجھ سے کتاب کی سافٹ کاپی بھیجنے کا مطالبہ کیا، لیکن مسلسل مصروفیتوں کی وجہ سے اتنی بھی فرصت نہ مل سکی کہ اس پر نظر ثانی کر کے ارسال کر سکوں، جب موصوف نے پہلی بار خواہش ظاہر کی تو میں نے وعدہ کر لیا، لیکن بعد میں خیال آیا کہ کچھ اصلاحات کر دی جائیں تو زیادہ نفع بخش ہوں گی، لیکن اعلیٰ حضرت مجددین و ملت امام احمد رضا خان قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کے موضوع تصوف پر دو اہم رسالوں نے مجھے اس طرح اپنا گرویدہ بنایا کہ ان کی تکمیل تک کسی اور کتاب کی طرف متوجہ نہ ہو سکا، اب جب کہ ان دونوں رسالوں کی تعریب اور تحقیق سے فارغ ہو کر ملک اردن میں واقع ایک عظیم نشریاتی ادارہ ”دارالنور البین“ کو بہ غرض طباعت حوالے کر چکا ہوں تو مجھے اس عزیز کی خواہش نے اس کتاب پر نظر ثانی کی طرف متوجہ کیا ہے، حالانکہ اب بھی میرے سامنے ایک ایسا عظیم علمی کام ہے جس کی ترتیب میں رسالوں صرف ہو گئے اور مکمل مستعدی سے میں اس کام کی تکمیل میں مصروف رہا پھر بھی اس کی تکمیل میں ایک ماہ مزید درکار ہے۔ یہ کام بھی ایسا ہے جس سے میں صرف نظر نہیں کر سکتا، کیوں کہ یہ میرے دادا پیر صدر الافاضل، فخر الامثال، اتاذ العلماء، امام المتکلمین حضرت علامہ سید محمد نعیم

الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات و خدمات پر مشتمل ایک نمبر کی ترتیب کا کام ہے جو اکیس سال تک بے توجہی کا شکار رہا اور اسباب و وسائل کی قلت دامن گیر رہی۔ اگر مجھ پر اس بابرکت شخصیت کا فیضان نہ ہوتا تو شاید ہندو پاک کے علماء و دانش وروں کے وہ تحقیقی مقالات و مضامین دیمک کی نذر ہو جاتے جو انھوں نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں قلم بند فرمائے تھے، لیکن توفیق خداوندی سے ناچیز کو اس خدمت کا شرف ملا۔

ع آج بھی فیضان سے ہوتے ہیں تیرے فیض یاب

مرحبا بحر کرم صدر الافاضل مرحبا

محمد نور الحسن خان نعیمی ازہری

استاذ عربی ادب و تقابل ادیان

الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد

یوپی، انڈیا



استشراق اور مستشرقین

استشراق اور مستشرقین؛ یہ ایک ایسا علمی موضوع ہے جس کے بارے میں کسی بھی مصنف یا رائٹر نے کوئی ایسا علمی کارنامہ نہیں انجام دیا ہے جو استشراق کی تاریخ، اس کے اغراض و مقاصد اور اس کی اچھائیوں اور برائیوں کا پتہ دے سکے اور نہ ہی اب تک مستشرقین کی جماعت، ان کی سرگرمیوں اور ان کی کتابی و تحقیقاتی خامیوں پر بہت زیادہ علمی اور معلوماتی روشنی ڈالی گئی ہے جس سے بہ آسانی ان کی حقیقت کا علم ہو سکے۔ ہاں اگر کوئی کتاب اس موضوع پر آئی بھی تو یا تو ان کی محض تعریف و توصیف سے لب ریز ہو کر منظر عام پر آئی یا پھر مستشرقین کے مشنری اور سامراجی اغراض و مقاصد کو اجاگر کرتی ہوئی نظر آئی۔ مثلاً استاذ نجیب العقیسی کی کتاب ”المستشرقون“ ہی ملاحظہ فرمائیں جو مستشرقین کی مدح و ثنا سے پر نظر آتی ہے۔ البتہ اس سلسلے میں ازہر یونیورسٹی کے اسلامک کلچر کے جنرل ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر محمد لیبھی کا وہ عظیم الشان اور قیمتی لکچر بہت ہی علمی اہمیت کا حامل ہے جو انہوں نے ازہر کے عام لکچر ہال میں پیش کیا ہے۔

بعض حضرات ایسے بھی آپ کو نظر آئیں گے جنہوں نے مستشرقین پر حد سے زیادہ اعتماد کر لیا اور ان کے افکار و خیالات سے متاثر ہو کر ان کی کوششوں کی بے جا تعریف بھی کرنے لگے۔ چنانچہ ڈاکٹر طہ حسین جو ہماری موجودہ ادبی تاریخ میں مستشرقین کے اولین شاگردوں میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب ”الادب الجاہلی“ میں رقم طراز ہیں:

”و کیف تتصور أستاذ الألب العربی لایلم ولا ینتظر أن یلم بما انتھی إلیه الفرنج (المستشرقون) من النتایج

العلمية المختلفة حين درسوا تاريخ الشرق و أدبه ولغاته المختلفة، وإنما يلتبس العلم الآن عند هؤلاء الناس، ولا بد من التماسه عندهم حتى يتاح لنا نحن أن ننهض على أقدامنا و نظير بأجنحتنا و نسترد ما غلبنا عليه هؤلاء الناس من علومنا و تاريخنا و آدابنا۔“

”آپ ایسے شخص کو عربی ادب کا پروفیسر کیسے تصور کر سکتے ہیں جو مستشرقین کے ان مختلف علمی اور تحقیقی نتائج سے نا آشنا ہو جس کو انھوں نے مشرق کی تاریخ و ادب اور اس کی مختلف زبانوں کے مطالعے کے بعد پیش کیا ہے۔ باوجودے کہ علم ابھی انہیں لوگوں میں منحصر ہے اور ان کے سامنے ہمیں زانوے ادب تہ کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ ہم خود اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں، اور اپنے بازوؤں کے بل بوتے پر پرواز کر سکیں اور اپنے چھینے ہوئے علوم و تاریخ اور ادب کو ان سے واپس لے سکیں۔“

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کلام نے اس فکری غلامی اور محکومیت میں ایک مثبت کردار ادا کیا ہے جس سے کہ ہم اپنے جدید علمی اور فکری ترقی کے آغاز ہی میں گذر چکے ہیں اور یہ فکری غلامی ڈاکٹر طہ حسین کی اسی کتاب ”الادب الجاہلی“ میں جا بجا نظر آتی ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غالی اور متعصب قسم کے مستشرقین کے افکار و نظریات کی ایک مخلصانہ تائید کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر طہ حسین کی علمی خیانت کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ ڈی، ایس، مرگولیوٹھ "D.S. Margoliouth" جیسے مستشرق کے افکار و نظریات کو اپنی کتاب ”الادب الجاہلی“ میں اپنی طرف منسوب کر لیا ہے اس لیے کہ اس کتاب میں کوئی ایسی نئی فکر نہیں پیش کی گئی ہے جو مستشرقین کے افکار و خیالات سے جدا ہو اور نہ ہی کوئی ایسی علمی اور تحقیقی بحث ملتی ہے جو خود ان کے افکار و خیالات کا آئینہ دار ہو یا ان کی علمی جدوجہد کا نتیجہ ہو۔

۱۵۹۳۲۳

اور یہی حال استاد احمد امین کا بھی ہے۔ اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں قابل ذکر ہیں:

(۱) "فجر الاسلام" اور (۲) "ضحی الاسلام"

فجر الاسلام کی فصل "حدیث" میں جو انھوں نے مستشرقین کے افکار و نظریات کو چرا کر اپنی طرف منسوب کیا ہے اس کو میں نے بہت ہی شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتاب "السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي" میں بے نقاب کیا ہے۔

اور اسی صف میں ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر کا نام بھی آتا ہے جنھوں نے مستشرقین کے افکار و نظریات کی اشاعت میں بہت ہی جدوجہد کی ہے۔ "نظرة عامة في تاريخ الفقه الإسلامي" نامی ان کی ایک کتاب ہے جو مشہور زمانہ مستشرق گولڈ زیہر "Gold Zihar" کی دو کتابوں (۱) "دراسات اسلامية" اور (۲) "العقيدة و الشريعة في الإسلام" کا حرفی ترجمہ ہے جس میں ڈاکٹر طہ حسین اور استاد احمد امین کی طرح انھوں نے بھی مستشرقین اساتذہ کے افکار و نظریات کو ان کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اپنے کھاتے میں ڈال لیا ہے۔

ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر اس وقت لندن میں "المركز الثقافي الاسلامي" کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے اور ان کے مابین ایک واقعہ پیش آیا تھا جس کا بیان اس وقت بہت مناسب سمجھتا ہوں، کیوں کہ وہ ایسا واقعہ ہے جو بہت ہی عبرت آموز ہے اور وہی واقعہ میری کتاب "السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي" کی تالیف کا باعث و محرک بھی ہے۔ واقعہ بیان کرنے سے قبل ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کی فضیلت، خوش اخلاقی اور حق شناسی پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

۱۹۳۹ء کا زمانہ تھا جب ہم "كلية الشريعة" کے شعبہ "الفقه و الاصول و تاريخ التشريع" کے دوسرے اور تیسرے سال میں تھے۔ شیخ مراغی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دور میں "مشيخة الازهر" نے ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر (آپ نے اپنی تعلیم جرمنی سے حاصل کی تھی اور "كلية اصول الدين" کے شعبہ تاریخ کے فارغ التحصیل تھے۔ جرمنی میں

چار سال انھوں نے قیام کیا اور شعبہ فلسفہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی (کو تاریخ تشریح اسلامی کا استاد مقرر کیا اور وہ ہمیں درس دینے لگے۔

میری یادداشت کے مطابق سب سے پہلے درس کا آغاز انھوں نے اپنے اس کلام سے کیا:

”إني سأدرس لكم تاريخ التشريع الإسلامي، ولكن علي طريقة علمية لا عهد للأزهر بها. وإني أعترف لكم بأني تعلمت في الأزهر قرابة أربعة عشر عاما فلم أفهم الإسلام ولكني فهمت الإسلام حين دراستي في ألبانيا.“

”آج میں آپ حضرات کو فقہ اسلامی کی تاریخ پر ایسے علمی انداز میں لکچر دوں گا کہ جس کی از ہریونی ورٹی کو ہوا تک نہ لگی ہوگی۔ میں آپ حضرات سے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں از ہریونی ورٹی میں تقریباً چودہ سال تک تعلیم حاصل کرتا رہا لیکن اسلام کو نہ سمجھ سکا، میں نے اسلام کو جرمنی میں اپنے دورانِ تعلیم سمجھا ہے۔“

اِتنا سننا تھا کہ ہمارے سارے رفقاءے درس ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر کے اس کلام سے ورطہ حیرت میں پڑ گئے اور ہم سب نے عزم مصمم کر لیا کہ اب ڈاکٹر صاحب کی بات کو بہت ہی سنجیدگی اور حضورِ قلب کے ساتھ سماعت کرنا ہے، ممکن ہے اسلام کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے کوئی ایسا علم سیکھا ہو جس کی از ہریونی ورٹی کو واقعی میں ہوا تک نہ لگی ہو۔ اس لیے جملہ رفقاءے درس ذہن و فکر کو حاضر کر کے اور ہمہ تن گوش ہو کر ڈاکٹر موصوف کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرتِ نبوی کی تاریخ سے درس کا آغاز کیا اور اپنے ہاتھ میں ایک ضخیم کتاب لیے ہوئے تھے جو کسی کتاب کا حرفی ترجمہ تھا۔ (بعد میں ہمیں علم ہوا کہ وہ مستشرق گولڈ زیہر "Gold Zihar" کی کتاب "دراسات اسلامية" تھی) جس کی عبارت ڈاکٹر موصوف نقل کر رہے تھے اور یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ وہ ایک علمی حقیقت ہے۔ اس طرح انھوں نے درس جاری رکھا اور جہاں بھی کوئی سوال ذہن میں ابھرتا تھا یا کوئی قابل

اعتراف جملہ آتا تھا تو ہم لوگ بر محل گرفت کرتے تھے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اس طرح مناقشہ کافی طویل ہو جاتا تھا، لیکن گولڈ زیہر "Gold Zihar" کی کتاب میں جو رائے اور فکر پیش کی گئی تھی اس کو غلط تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے، بلکہ اس کو صحیح کرنے کے لیے بے جا تاویلیں کرتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنے لکچر میں حضرت امام زہری علیہ الرحمہ پر گفت گو کرنے لگے اور اموی خلفا کی تائید میں ان پر وضع حدیث کی تہمت لگائی، تو میں نے حضرت امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اپنی معلومات کے مطابق ڈاکٹر موصوف سے خوب مناقشہ کیا اور کہا کہ وہ تو حدیث کے امام ہیں، سارے علما ان کو ثقہ تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی رائے پر قائم رہے اور میری کوئی بھی بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے، تو اچانک میرے دل میں اس موضوع کی تحقیق کا جذبہ بیدار ہوا اور ڈاکٹر موصوف سے کہا کہ مستشرق گولڈ زیہر "Gold Zihar" نے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جو الزامات لگائے ہیں اس کا آپ مجھے مکمل ترجمہ دے دیجیے! خیر انھوں نے اتنا کرم کیا کہ اس کا ترجمہ دو صفحہ میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے دے دیا، اور میں نے اسی دن سے امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سیرت اور گولڈ زیہر کی طرف سے ان پر اتہام و الزام کی تحقیق و نقیشت میں مصر کے بڑے بڑے کتب خانوں کا چکر لگانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ازہر بنی ورسٹی کی لائبریری اور "دارالکتب البصریة" میں کتب سیر کی تمام مخطوطات کو پھان مارا، اور حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق جو بھی باتیں ان میں ملیں سب کو نقل کر لیا۔ چنانچہ اس کی تحقیق میں میں نے مکمل تین ماہ صرف کیا اور میرا روزانہ کا یہ معمول بن گیا کہ "کلیۃ الشریعة" سے پڑھنے کے بعد رات کے اخیر حصہ تک اس مسئلہ کی حقیقت اور صحت تک پہنچنے کے لیے مشغول رہتا تھا۔ جب میرے پاس حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں صحیح معلومات مکمل طور پر جمع ہو گئیں تو ڈاکٹر موصوف سے میں نے عرض کیا:

"لقد تبین أن جولدتسیہر قد حرف نصوص الأقدمین فیما

يتعلق بالزهرى فأجابنى بقوله: لا يمكن هذا، لأن
المستشرقين وخاصة جولدتسيهر قوم علماء منصفون لا
يحرّفون النصوص ولا الحقائق۔“

”مجھ پر یہ بات مکمل طور پر کھل گئی ہے کہ گولڈ زیہر 'Gold Zihar' نے حضرت
امام زہری کے متعلق قدیم مؤرخین کی عبارتوں میں تحریف و تبدیل سے کام لیا
ہے، تو انہوں نے مجھے یہ کہتے ہوئے جواب دیا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ
مستشرقین اور بہ طور خاص گولڈ زیہر 'Gold Zihar' ایسے منصف اور تعلیم یافتہ
حضرات ہیں جو نہ تو عبارات میں تحریف کر سکتے ہیں اور نہ ہی حقائق میں رد و بدل
کر سکتے ہیں۔“

پھر جب یہ مسئلہ مزید پیچیدہ ہو گیا تو میں نے اس موضوع پر ”سراے عابدین قدیم“ کے
قریب ”ہدایہ اسلامیہ سوسائٹی“ کی بلڈنگ میں لکچر دلوانے کا عزم مصمم کر لیا، اور اس کے لیے
جدوجہد شروع کر دی۔ سوسائٹی نے ازہریونی ورٹی کے علما اور طلباء کو دعوت نامہ روانہ کر دیا
اور ڈاکٹر موصوف کو بھی مدعو کیا۔ چنانچہ مقررہ وقت پر علما اور طلباء کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا جن
میں ڈاکٹر موصوف بھی شامل تھے جن کی شرکت کی مجھے کافی خواہش تھی، پھر میں نے حضرت
امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر مستشرق گولڈ زیہر "Gold Zihar" کی طرف سے وارد
شدہ الزامات کا جواب دینا شروع کیا اور ڈاکٹر موصوف نہایت ہی دل جمعی کے ساتھ میرے
جوابات کو سماعت کرتے رہے، جب میری تقریر اختتام پر پہنچی تو میں ان الفاظ کے ساتھ
رخصت ہوا کہ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں یہ میرا نظریہ ہے اور یہی
نظریہ ہمارے علما کا بھی ہے۔ اب اگر ہمارے استاد ڈاکٹر عبدالقادر صاحب ہمارے اس
کلام سے مطمئن نہیں ہیں اور کوئی اعتراض یا سوال انہیں کرنا ہے تو تشریف لائیں اور اپنا سوال
پیش کریں۔ چنانچہ ڈاکٹر موصوف تشریف لائے اور مجمع عام کے سامنے اس بات کا ان
الفاظ میں اعلان کیا:

”انی اعترف بأني لم أكن أعرف من هو الزهري؛ حتى عرفته الآن، وليس لي اعتراض على كل ما ذكرته.“

”میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ اب تک یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ امام زہری کون ہیں؟ لیکن اب ان کے بارے میں مجھے مکمل علم ہو گیا اور آپ کے لکچر پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

اس طرح ڈاکٹر موصوف کے ان حقیقت پسندانہ جملوں سے مجلس اختتام پذیر ہوئی، اور اس کے بعد ہم لوگ سوسائٹی کے صدر استاد جناب خضر حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کمرے میں داخل ہوئے جو بعد میں ”شیخ الازہر“ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ڈاکٹر موصوف بھی وہاں تشریف فرما تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کی تقریر بہت کام یاب رہی، آپ نے تو مستشرقین کی تحقیقات میں ایک نئے باب کا آغاز کیا ہے، میری خواہش ہے کہ اس لکچر کا ایک نسخہ آپ مجھے دے دیں تاکہ جرمنی کے ان علمی رسالوں اور اخباروں میں اس کو شائع کرا سکوں جو مستشرقین کی تحقیقات کو شائع کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ مستشرقین کے حلقوں میں کھلبلی مچ جائے گی۔ میں نے ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور مجھے ایسا لگا کہ ایک استاد اپنے شاگرد کی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ایک نسخہ انھیں دے دیا۔

چند دنوں بعد ڈاکٹر موصوف نے مجھے اپنے گھر پر بلایا۔ ہمارے اور ان کے درمیان اسی موضوع پر بات چھڑ گئی اور اخیر میں ہم دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب ہم گرمی کے موسم میں فارغ ہوں گے، تو مستشرق گولڈ زیہر ”Gold Zihar“ کی کتاب کا ترجمہ اور اس کا جواب لکھیں گے، لیکن قسمت نے یاوری نہ کی اور اس کے بعد دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں انگریزی فوجوں نے مجھے قاہرہ میں گرفتار کر لیا، چنانچہ میں قاہرہ سے سات سال تک دور رہا اور اسی درمیان ڈاکٹر موصوف نے ”نظرۃ عامۃ فی تاریخ الفقہ الإسلامی“ نام کی کتاب لکھ کر شائع کروا دیا، لیکن مجھے اس کتاب کے مطالعہ کی فرصت تین سال کے بعد ہی

مل سکی، کیوں کہ میری رہائی دوسری جنگ عظیم کے دوران ہوئی۔

یہ وہ واقعہ ہے جو استاد گرامی ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب کے ساتھ پیش آیا، اور میرا خیال ہے کہ بعد میں ان کے اندر بہت تبدیلی آگئی اور مستشرقین خصوصاً مستشرق گولڈ زیہر "Gold Zihar" کے بارے میں جو ان کا نظریہ اور موقف تھا اور اس کی امانت داری، اخلاص اور عبارتوں کی عدم تحریف کا جو اعتقاد تھا، سب زائل ہو گیا۔

مستشرقین کی تحقیقات پر اعتماد کے انتہا پسندانہ نظریہ کے برعکس ایک دوسرا انتہا پسندانہ نظریہ یہ بھی ہے جو مستشرقین اور ان کے تعصب سے پر نظریات پر بلا امتیاز حق و باطل حملہ کرتا ہے۔ اس دوسرے نظریہ کی مثال "احمد فارس الشدیاق" کے اقوال سے پیش کی جاسکتی ہے جو ان کی کتاب "ذیل الفاریاق" میں درج ہیں:

"إن هؤلاء الأساتيد (المستشرقين) لم يأخذوا العلم عن شيوخهم وإنما تطفلوا عليه تطفلا و توثبوا فيه توثبا و من تخرج فيه بشيء فإنما تخرج على القس، ثم أدخل رأسه في أضغاث أحلام، أو أدخل أضغاث أحلام في رأسه و توهم أنه يعرف شيئا و هو يجهل، و كل منهم إذا درس في إحدى لغات الشرق أو ترجم شيئا منها تراها يخبط فيه خبط عشواء، فيما اشتبه عليه منها رقعة من عنده بما شاء، و ما كان بين الشبهة و اليقين حدس فيه و خمن فرج منه البرجوح و فضل الفضول۔"

"ان مستشرقین اساتذہ نے اہل علم سے علم نہیں حاصل کیا بلکہ سرسری طور پر کسی سے کچھ پڑھ لیا اور اس میدان میں کود پڑے، اور اگر کسی نے کچھ حاصل بھی کیا تو وہ پادریوں سے حاصل کیا، چنانچہ اس نے یا تو شبہات میں اپنا سر ڈال دیا، یا شبہات کو اپنے سر میں ڈال لیا، اور نادانی میں یہ خیال کر بیٹھا کہ وہ سب کچھ

جانتا ہے، جب کہ سب کے سب کا حال یہ ہے کہ جب وہ کسی مشرقی زبان کو سیکھتے ہیں یا اس کا ترجمہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں اور اگر انھیں اس میں کہیں کچھ شبہہ ہوتا ہے تو اپنی طرف سے من مانی پیوند کاری کر جاتے ہیں اور جہاں کہیں وہ شک و یقین کے مابین ہوتے ہیں تو وہاں اٹکل کا سہارا لیتے ہیں اور راجح کو مرجوح اور مرجوح کو راجح قرار دے دیتے ہیں۔“

حق تو یہ ہے کہ بے جا تعریف میں رطب اللسان ہو جانا، اور بے جا مخالفت پر کمر بستہ ہو جانا اس میں سے ہر ایک ان تاریخی حقائق کے منافی ہے جن کو مستشرقین نے اپنے کارناموں میں قلم بند کیا ہے اور نئی تحقیقات کے راستے کھولے ہیں۔ ہم تو ایسے دین کو ماننے والی قوم ہیں جو دشمنوں کے ساتھ بھی ہمیں عدل و انصاف کا درس دیتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

”و لا یجرمنکم شنان قوم علی أن لا تعدلوا اعدلوا هو
أقرب للتقوی۔“ (سورہ مائدہ، آیت: ۸)

”اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو! وہ
پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔“ (کنز الایمان)



تاریخ استشراق

یہ بات یقینی طور پر تو نہیں معلوم ہے کہ کون سا وہ مغربی شخص ہے جو مشرقی علوم کے مطالعہ کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہوا، اور نہ ہی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کس وقت مغرب کے لوگوں نے مشرقی علوم کے مطالعہ کا آغاز کیا۔ لیکن تاریخی حقائق سے ان باتوں کا ضرور انکشاف ہوتا ہے کہ بعض مغربی راہب اندلس کی عظمت و ترقی اور شان و شوکت کے دور میں اندلس آئے اور وہاں کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے لگے، انھوں نے مختلف علوم و فنون خصوصاً فلسفہ، طب اور ریاضی کی تعلیم علمائے اسلام سے حاصل کی، اور قرآن کریم اور دیگر عربی کتابوں کا اپنی زبانوں میں ترجمہ کیا۔

ان راہبوں کی فہرست میں سب سے پہلا نام جربرٹ "Jerbert" نامی ایک فرانسیسی راہب کا آتا ہے۔ جب یہ راہب اندلس میں تعلیم حاصل کر کے اپنے ملک واپس ہوا تو ۹۹۹ء میں روم کے کلیسا کا پادری منتخب کیا گیا۔ دوسرا نام پیٹر "Peter" (۱۰۹۳ء-۱۱۵۶ء) کا آتا ہے اور تیسرا نام جیرارڈی گریمون "Gerardde Gremone" (۱۱۱۴ء-۱۱۸۷ء) کا بیان کیا جاتا ہے۔

اس طرح ان سارے راہبوں نے اپنے وطن واپس ہونے کے بعد عربی تہذیب و ثقافت اور مشہور علمائے عرب کی تالیفات و تصنیفات کی نشر و اشاعت میں اپنے آپ کو مصروف رکھا، چند ہی سال گزرے تھے کہ عربی تعلیم کے لیے مدرسوں کا قیام ہونے لگا، مثلاً مدرسہ "بادوی"۔ اس طرح یہ راہب بہت سارے مدارس اور بہت سارے گرجا گھروں میں لاطینی زبان میں (جو کہ اس وقت تمام یورپین ممالک میں زبانِ علم و فن سمجھی جاتی تھی)

ترجمہ شدہ عربی کتابوں کا درس دینے لگے۔ مغرب کی یونیورسٹیاں ان عربی کتابوں پر اعتماد کرتی رہیں۔ اور تقریباً چھ صدی تک ان کو تحقیق و مطالعہ کے لیے اصلی مراجع کی حیثیت سے تسلیم کرتی رہیں۔

اس وقت سے مغربی لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا، اسلام اور عربی زبان کی تعلیم حاصل کرتے رہے، قرآن اور دیگر کتب عربیوں کی علمی و ادبی کتابوں کا ترجمہ بہت ہی برق رفتاری سے ہوتا رہا اور جب اٹھارہویں صدی کا زمانہ آیا تو مغرب کے لوگ اسلامی دنیا میں سامراجیت کے نفوذ کے درپے ہو گئے اور اسلامی ملکوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا، اسلام اور اسلامی ملکوں کے خلاف ایک تو مغرب کی ریشہ دوانیاں اپنے نقطہ عروج پر تھیں اور دوسری طرف مغرب کے علما استشراق کی نشر و اشاعت کے لیے جی توڑ کوشش کر رہے تھے۔ اس کے لیے مغرب کے سارے ملکوں میں ماہ نامے اور رسالے نکال رہے تھے، اسلامی اور عربی ملکوں میں عربی مخطوطات پرنٹ پڑے اور ان کے نادان مالکان سے کتابیں خریدنے لگے، اور بڑی بڑی لائبریریوں سے کتابوں کے خرد برد میں مشغول ہو گئے، کیوں کہ یہ کتب خانے نہایت ہی بد نظمی کے شکار تھے۔ اس طرح عربی کے نادر مخطوطات کو انھوں نے اپنے ملک کی لائبریریوں میں منتقل کر لیا اور ان کی لائبریریاں عربی کے نایاب مخطوطات سے پر ہو گئیں۔ انیسویں صدی کے آغاز تک ان مخطوطات کی تعداد دو لاکھ پچاس ہزار تک پہنچ گئی اور اب بھی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

مستشرقین نے اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے انیسویں صدی کی آخری چوتھائی ۱۸۷۳ء میں پیرس "Paris" میں اپنی پہلی کانفرنس کا انعقاد کیا، مشرق کے ادیان و مذاہب، تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون کی تحقیق و ترقیق میں کانفرنس منعقد ہوتی رہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔



میدانِ استشراق

جیسا کہ آپ نے ابھی ابھی ملاحظہ فرمایا کہ استشراق کا آغاز صرف عربی زبان اور اسلام جیسے مذہب کے مطالعہ سے ہوا۔ لیکن استشراق کا دائرہ مشرق میں مغربی سامراجیت کے زور پکڑنے کے بعد اتنا وسیع ہو گیا کہ مشرق کے تمام مذاہب ان کی عادات و تقالید، رسم و رواج، تہذیب و ثقافت، زبان و بیان اور اس کے جغرافیائی علم کی تحقیق پر محیط ہو کر اختتام پذیر ہوا۔ لیکن وسعتِ تحقیق کے باوجود استشراق کا ^{مطمح} نظر اسلام، عربی زبان و ادب اور اسلامی تہذیب و ثقافت ہی رہا۔ ان دینی اور سیاسی اسباب کو مد نظر رکھتے ہوئے جن اسباب نے مستشرقین کو مشرقی علوم کی تحقیق پر آمادہ کیا ان شاء اللہ ہم بعد میں ان کو تفصیلی طور پر ذکر کریں گے۔

استشراق کا پس منظر

استشراق کے چند پس منظر ہیں:

- (۱) دینی پس منظر
- (۲) سامراجی پس منظر
- (۳) تجارتی پس منظر
- (۴) سیاسی پس منظر
- (۵) علمی پس منظر

دینی پس منظر:

ہمیں استشراق کے اول پس منظر سے متعارف ہونے کے لیے کسی جدوجہد کی حاجت نہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر و باہر ہے کہ استشراق کا سب سے اولین پس منظر دینی ہے۔ راہبوں سے اس تحریک کا آغاز ہونا ہی اس پر بین دلیل ہے جیسا کہ عصر حاضر میں بھی یہ سلسلہ جاری و ساری ہے مستشرقین کا یہ منصوبہ تھا کہ اسلام پر کچھ اچھا لاجائے، اس کی خوبیوں اور محاسن کو منادیا جائے اور اسلام کے روشن حقائق کو مسخ کر دیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ اپنے زیر اثر عوام کو یہ باور کرا سکیں کہ دین اسلام مسیحیت کا واحد مخالف دین ہے، جو قابل نشرو اشاعت نہیں ہے، اور اس کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھا دیں کہ مسلمان چور، ڈاکو، بد معاش، وحشی اور خون ریز قوم ہے۔ اسلام تو انہیں جسمانی لذتوں اور خواہشات کی دعوت دیتا ہے اور ہر روحانی و اخلاقی بلندی سے دور کرتا ہے۔ لیکن جب انہوں نے عصر حاضر کی نئی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ کیا تو انہیں مذہب اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کی سخت ضرورت محسوس ہوئی، کیوں کہ نئی تہذیب و ثقافت اس حد تک مؤثر ہوئی کہ اس نے اہل مغرب کے عقیدے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا، یہاں تک کہ انہیں اپنے ماضی کے رہنماؤں اور راہبوں سے حاصل کردہ ساری تعلیمات پر شک ہونے لگا۔ اس لیے مستشرقین نے یہ منصوبہ بنایا کہ مذہب اسلام پر ایسے سخت حملے کیے جائیں کہ اہل مغرب کو اپنی مقدس کتابوں اور مشکوک عقائد کی تنقید کا موقع ہی نہ ملے، کیوں کہ مستشرقین کو اس بات کا اچھی طرح علم تھا کہ اسلامی فتوحات کی ابتدا سے لے کر ضلیبی جنگوں تک اور یورپ میں عثمانی سلطنت کی فتوحات تک اہل مغرب کے دلوں میں کیا آثار مرتب ہوئے ہیں، اور اسلام کی شان و شوکت سے وہ کس قدر خائف ہوئے ہیں، اسلام اور اہل اسلام سے کس قدر نفرت کرنے لگے ہیں۔ لہذا ان راہبوں نے نفسیاتی اثرات کو غنیمت سمجھتے ہوئے اسلامی علوم کی تحقیق و مطالعہ کی سرگرمیوں میں مزید اضافہ کر دیا اور زبردست مطالعہ کیا، ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اپنا مشنری مقصد بھی فوت نہ ہونے دیا بلکہ اسے اپنی علمی تحقیقات میں زندہ رکھا۔ کیوں کہ اولادہ ایک مذہب کے پیشوا

تھے اس لیے وہ اسلام کی عظمت و رفعت کو مٹانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے تاکہ اسلامی ثقافت کے متلاشیوں کے دلوں میں اسلامی عقائد و نظریات کے متعلق کم زوری پیدا ہو جائے اور اسلامی تراث، تہذیب و ثقافت اور اسلامی علوم و فنون ان کی نظروں میں مشکوک ہو جائیں۔

سامراجی پس منظر:

جب صلیبی جنگوں کا خاتمہ ہو گیا اور صلیبیوں کو رسوائی اور پشیمانی کا سامنا کرنا پڑا (بہ ظاہر تو یہ جنگ دینی تھی لیکن اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس میں سامراجی جنگ کی جھلک نظر آتی ہے) تو اس کے باوجود بھی اہل مغرب اسلامی اور عربی ملکوں پر قبضہ کے خاتمہ سے مایوس نہ ہوئے بل کہ ان ملکوں کے حالات و کیفیات، عادات و اطوار، اخلاق و کردار، مال و دولت اور عقائد و نظریات کے مطالعہ میں مکمل دل جمعی کے ساتھ ڈٹ گئے، تاکہ ان ملکوں کی طاقت و قوت اور ضعف و کم زوری کی جگہوں پر مطلع ہو سکیں اور اسباب قوت کو کم زور کر کے اسباب ضعف سے فائدہ اٹھائیں، تاکہ فوجی بالادستی اور سیاسی گرفت مضبوط و مستحکم ہونے کے بعد استشراق کو آگے بڑھانے کے اسباب و محرکات بہ دستور قائم رہ سکیں، کیوں کہ استشراق کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں سے ذہن و دماغ میں روحانی اور اخلاقی مزاحمت کو کم زور کر دیا جائے اور مسلمانوں کی اسلامی تراث، عقائد و نظریات، انسانی اقدار و روایات کی افادیت کو مشکوک کرنے کے ان کے افکار و خیالات کو متزلزل کر دیا جائے، اور انھیں فکری اور ذہنی طور پر اپنا ہی بنا دیا جائے تاکہ وہ خود اعتمادی کھودیں، اور اہل مغرب کے سایہ میں زندگی بسر کریں اور ان سے اخلاقی اقدار اور عقائد کے اصول کی بھیک مانگیں، اور اس طرح جب قوم مسلم فکری اور ذہنی طور پر اہل مغرب کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لے گی تو وہ ان کی تہذیب و ثقافت اور تقالید و روایات کے سامنے اپنا سر خم کر دے گی اور بہ رضاء و رغبت ان کی مطیع و فرمان بردار ہو جائے گی اور اس کے بعد پھر کبھی اپنا سر نہیں اٹھا سکے گی۔

آپ خود ہی ملاحظہ فرمائیں کہ یہ لوگ ہمارے ملکوں میں ان قدیم قومی نعروں کو ہوا دے رہے ہیں جن کو مٹے ہوئے صدیاں گزر گئیں اور انھیں دوبارہ زندہ کرنے کی جدوجہد کر

رہے ہیں۔

عرب میں اسلامی پیغام کے ظہور کے بعد بہت ساری قوموں کا خاتمہ ہو گیا، ان کے عقائد و نظریات، زبان و بیان اور ممالک سب ایک ہو گئے، اور سب نے متحد ہو کر اسلام کا پیغام چہار دانگ عالم میں پھیلا دیا، مسلمانوں اور دیگر قوموں کے مابین انسانی، تاریخی اور تہذیبی روابط و تعلقات قائم ہوئے جن کی بنیاد پر مسلمانوں کی قوت و طاقت میں اضافہ ہوا، اور دیگر قوموں کو ان کے زیر سایہ عظمت و ہدایت ملی۔ لیکن اہل مغرب کا حال یہ ہے کہ وہ نصف صدی سے مصر میں ”فرعونیت“ اور شام، لبنان اور فلسطین میں ”فینیقیہ“ اور عراق میں ”آشوریہ“ کو زندہ کرنے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں، تاکہ قوم مسلم کے شیرازہ کو منتشر کرنا ان کے لیے آسان ہو جائے اور اپنی سازشوں سے ہمارے اندر حریت پسندی کے جذبے کا خاتمہ کر دیں، اور ہمیں اپنی زمین پر جو آزادی، قیادت اور قوت حاصل ہے اس کو کم زور کر دیں، تاکہ پھر ہم دوبارہ دنیا سے تہذیب و ثقافت میں امتیازی حیثیت کے حامل نہ ہو سکیں اور عقیدہ، اعلیٰ اقدار و روایات اور مشترکہ تاریخ و مفادات میں ہمارے شرکاء سے ہمارا اتحاد نہ ہو سکے۔

تجارتی پس منظر:

وہ اسباب و وسائل جو استشراق کی ترقی اور پیش قدمی میں مؤثر تھے ان میں ایک تجارتی پس منظر بھی ہے، وہ یہ کہ مغرب کے لوگ بہت دل چسپی سے مسلمانوں کے ساتھ لین دین کرتے تھے تاکہ وہ اپنے خرید و فروخت کے سامان کو زیادہ سے زیادہ عام کر سکیں، اور مسلمانوں کے خام قدرتی ذرائع کو کم سے کم قیمت پر خرید سکیں، اور مسلمانوں کی ان علاقائی صنعتوں کو ٹھپ کر دیں جو عرب اور مسلم ممالک میں عروج و ارتقا کی چوٹی پر پہنچی ہوئی تھیں۔

سیاسی پس منظر:

استشراق کے فروغ میں جو اسباب اثر انداز تھے ان میں ایک سیاسی پس منظر بھی تھا، جب اسلامی اور عربی ممالک نے اہل مغرب کی غلامی سے نجات پائی اور انھیں خود مختاری نصیب ہوئی تو یہ پس منظر اور زیادہ کھل کر سامنے آیا۔ واضح رہے کہ عربی اور اسلامی ممالک

میں مغربی ممالک کے سفارتی اہل کاروں میں ایک مشیر خاص یا کلچر کا نمائندہ ہوتا ہے جو عربی زبان پر مکمل دست رس رکھتا ہے، جس کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ملکوں میں سیاست اور صحافت کے ماہرین اور دیگر مفکرین سے رابطہ پیدا کر کے ان کے سیاسی افکار و نظریات پر مطلع ہو اور اپنے ملک کے مرتب کردہ سیاسی رجحانات کی ان کے اندر بیج بوئے اور وہ اس مقصد میں کافی حد تک کام یاب بھی رہے، مغربی ممالک کے سفرانے عرب ممالک کے مابین ہمیشہ انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی، اور اسی طرح عربی اور اسلامی ملکوں کے اندر ہمیشہ پھوٹ ڈالنے کی جدوجہد کی، چنانچہ اکثر ملکوں میں وہ اپنے مقصد میں کام یاب رہے۔ مغربی ممالک اسی مقصد کے تحت ان سفرانے کو بھیجتے بھی ہیں تاکہ وہ عربی ممالک اور اسلامی ممالک کو آپس میں لڑائیں اگرچہ ان کا دعویٰ خیر خواہی اور امداد رسانی کا ہوتا ہے۔ یہ ساری سرگرمیاں ان ممالک کے اہم ذمہ داران کی نفسیات کا زبردست مطالعہ اور ان کی سیاست عامہ کے کم زور پہلوؤں کی مکمل شناخت کے بعد وقوع پذیر ہوئیں اور نتیجتاً وہ اس طرح اپنے مفادات اور سامراجیت کو نقصان پہنچانے والے عوامی رجحانات پر بھی مطلع ہوتے رہتے تھے۔

علمی پس منظر:

استشراقی تحریک کی نشرو اشاعت میں جو اسباب و عوامل کارگر ثابت ہوئے ہیں ان میں ایک علمی پس منظر بھی ہے۔ مستشرقین میں بہت کم افراد ایسے گذرے ہیں جنہیں اقوام و آئم کے ادیان و مذاہب، تہذیب و ثقافت اور زبان و بیاں پر مطلع ہونے کی خواہش اور دل چسپی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے دوسرے مستشرقین کے بہ نسبت مذہب اسلام اور اسلامی تراث کے فہم و ادراک میں کم غلطیاں کی ہیں، کیوں کہ تحریف و ترمیم، غلط بیانی اور جعل سازی ان کا مقصد نہیں تھا، جس کی وجہ سے ان کی تحقیقات حقائق سے زیادہ قریب ہیں۔ اور ان کے علمی مضامین میں صحیح منہج علمی کی جھلک نظر آتی ہے (جب کہ اکثر مستشرقین کی تحقیقات، علمی مضامین اور مقالات ان خوبیوں اور محاسن سے عاری نظر آتے ہیں)۔ چنانچہ

بعض مستشرقین پر اسلام کی حقانیت کھل گئی اور وہ حلقہ بہ گوشِ اسلام ہو گئے، لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کہ ان کے پاس ذاتی طور پر مالی وسائل فراہم نہیں جن کی مدد سے وہ استشراق کی امانت داری اور اخلاص کے ساتھ خدمت کر سکیں، لیکن بالعموم ہوتا یہ ہے کہ ان کی غیر جانب دارانہ تحقیقات کی نہ تو دینی لوگوں میں پذیرائی ہوتی ہے اور نہ ہی ان کو سیاسی لوگوں اور عام محققین کے نزدیک مقبولیت حاصل ہو پاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مستشرقین کو کوئی مالی یا اقتصادی فائدہ نہیں مل پاتا ہے اور انھی وجوہات کی بنیاد پر اس قسم کے مستشرقین کا وجود بہت ہی نادر ہے۔



استشراق کے اغراض و مقاصد

عام مستشرقین کے استشراتی علوم و تحقیقات کے اغراض و مقاصد کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(۱) پُر فریب علمی مقصد:

اس سے مستشرقین کے چند مقاصد ہیں:

اولاً: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صحت میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، اور رسالت کا سرچشمہ اور اصل ذاتِ خداوندی کو تسلیم نہ کرنا۔ اسی لیے جمہور مستشرقین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا انکار کرتے ہیں اور من جانب اللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کے منکر ہیں۔ جب مستشرقین نزولِ وحیِ الہی کے وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہونے والے مخصوص حالات کی توضیح و تشریح کرتے ہیں تو انتہائی حماقت و جہالت کا ثبوت دیتے ہیں، جب کہ نزولِ وحیِ الہی کے یہ حالات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور خصوصاً اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ذکر کیے ہیں۔ معاذ اللہ بعض مستشرقین نزولِ وحیِ الہی کے وقت طاری ہونے والی کیفیات کو مرگی سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آپ کو کبھی کبھی مرگی کا دورہ پڑتا تھا اور بعض مستشرقین، وحی کو ان شخصیات سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن و دماغ میں معاشرتی بے راہ روی کی اصلاح کی خاطر موج زن تھے، اور بعض وحی کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ایک نفسیاتی مرض تھا وغیرہ وغیرہ۔ (نعوذ باللہ من هذه الأقوال الخبيثة) ایسا لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کوئی نبی اور رسول آیا ہی نہیں کہ وحی کی صورت و کیفیت کی تفسیر ان کے لیے ایک مشکل امر بن گیا، جب کہ ہر یہودی اور نصرانی

توریت میں مذکور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر ایمان مطلق رکھتا ہے، حالانکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاریخی شان و شوکت، انقلابی رعب و دبدبہ اور اپنے ساتھ لائے ہوئے اصول و قوانین کی عظمت و رفعت میں انبیاء سابقین سے کہیں بڑھ کر ہیں، اس کے باوجود مستشرقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ایسے غلط معانی سے تعبیر کرتے ہیں جو ہر صورت میں شان نبوت کے منافی ہیں اور یہ ساری تعبیرات ان کے مذہبی تعصب پر بین دلیل ہیں۔

اور جہاں تک ان کے دینی پیش واول، پادریوں اور عیسائی مبلغین کا مسئلہ ہے تو وہ تو اس علمی خیانت میں ان کے لیے قابل تقلید نمونہ بنے رہے۔ (۱)

اسی طرح جب انھوں نے قرآن حکیم کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر من جانب اللہ نازل کیے جانے کو تسلیم نہیں کیا اور قرآن میں گذشتہ امتوں کے بارے میں وارد شدہ تاریخی حقائق (جن کا صدور تاج دارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اُمتی سے مستحیل ہے) نے انھیں لاجواب اور ساکت کر دیا تو مستشرقین نے بھی وہی قول دہرایا جو عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جاہل مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ معلومات کچھ ایسے لوگوں سے لیتے ہیں جو انھیں آکر بتاتے ہیں۔

اس سلسلے میں وہ عجیب قسم کی بے ہودہ باتیں کرتے ہیں اور جب قرآن کریم میں وارد ان سائنسی حقائق سے ان کا سامنا ہوتا ہے جن کا انکشاف صرف اور صرف عصر حاضر میں ہوا ہے تو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت و فطانت کا نتیجہ ہے۔

ثانیاً: مستشرقین رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے ”منزل من السماء“ ہونے کے منکر ہیں اور مذہب اسلام کے من عند اللہ ہونے کا بھی انکار کرتے ہیں، بل کہ ان کا خیال تو یہ ہے کہ مذہب اسلام یہودیت اور مسیحیت دونوں مذہبوں کا مہجون مرکب ہے، لیکن مستشرقین کے پاس ان دعویوں کی کوئی دلیل اور ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی علمی تحقیق ان دعویوں کی مؤید ہے، ان کے یہ دعویے محض ان چند ظاہری تشابہ پر مبنی ہیں

۱ اس طرح کے غیر منصفانہ رویے سے اکثر مستشرقین کے دامن داغ دار ہیں۔

جو اسلام اور سابقہ دونوں مذہب (یہودیت اور نصرانیت) کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ ملاحظہ کرتے چلیں کہ یہودی مستشرقین مثلاً گولڈزیہر "Gold Zihar" اور جوزف ساخت "J. Schacht" وغیرہ نے پوری دنیا کو یہ باور کرانے کی ان تھک کوشش کی ہے کہ مذہب اسلام یہودی مذہب سے ماخوذ ہے اور یہودی مذہب اسلام پر اثر انداز ہے اور مسیحی مستشرقین اس دعوے میں یہودی مستشرقین کی اندھی تقلید کرتے ہیں کیوں کہ مسیحی مذہب میں کوئی ایسا قانون اور آئین نہیں ہے جس کو وہ یہ تصور کر سکیں کہ اسلام اس سے متاثر ہے یا اسلامی قانون اس سے ماخوذ ہے، البتہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ مسیحیت میں کچھ ایسے اخلاقی اصول ہیں جو اسلام پر اثر انداز ہو گئے ہیں اور اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ مسیحیوں کی ان باتوں سے ایسا لگتا ہے کہ ادیان سماویہ کے اخلاقی اصول و مبادی کا متعارض ہونا لازم اور واجب ہے اور ایک دین کو بھیننے والا کوئی اور ہے اور دوسرے دین کو بھیننے والا کوئی اور ہے۔ فتعالی اللہ علواً کبیراً۔ (۱)

ثالثاً: مستشرقین ان احادیث نبویہ کی صحت میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں جن پر ہمارے علماء و محققین اعتماد کرتے آئے ہیں اور اس سلسلے میں بعض بد نیتوں کی طرف سے احادیث طیبہ کی نقل میں کی گئی ہیرا پھیری اور وضع کا سہارا لیتے ہیں، اور ان کوششوں اور کاوشوں کو یک سر نظر انداز کر دیتے ہیں جو ہمارے علماء کرام نے احادیث صحیحہ کو احادیث موضوعہ سے الگ کرنے میں صرف کی ہیں، حالانکہ ان معزز علماء نے اپنی ان مساعی جمیدہ میں نہایت ہی دقیق اصول اور جانچ پڑتال کے انتہائی ٹھوس قواعد کو مد نظر رکھا ہے، اور ان مستشرقین کا حال تو یہ ہے کہ ہمارے علماء کے ان مضبوط اور مستحکم اصول کے مقابلے میں ان کی مقدس کتابوں کی صحت سند کی تحقیق کے اصول ایک فی صد کو بھی نہیں چھو سکتے۔ میں نے اس موضوع سے متعلق اپنی کتاب "السنة و مکانہا فی التشریح

یہ ممکن ہے کہ دو الگ الگ دین اپنے اصول اور اخلاقی اقدار میں مشابہت رکھتے ہوں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ایک دین دوسرے دین سے ماخوذ ہے، کیوں کہ اگر دو دین منزل من اللہ ہیں تو اصول و ضوابط میں نہیں کہیں تشابہ کا ہونا امر طبعی ہے۔

الإسلامی“ (۱) میں بہت علمی اور تحقیقی بحث کی ہے۔

استشراق ان مستشرقین کو یہ غیر منصفانہ دعوے اور حیلہ سازیاں اس وجہ سے کرنی پڑیں کہ وہ احادیث طیبہ کا اتنا زبردست خزانہ اور قانون سازی کا یہ حیرت انگیز سرمایہ دیکھ کر مبہوت ہو گئے جو سرمایہ کہ ہمارے علمائے تحقیق و تدقیق کامرکز بنا رہا، مستشرقین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معتقد تھے نہیں اس لیے انہوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ جن باتوں کا صدور امی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے وہ عقل سے بعید معلوم ہوتی ہیں اور سارا کام مسلمانوں کی پہلی تین صدیوں میں جمع خرچ کا نتیجہ ہے۔ مستشرقین کے ذہنی خلجان اور نفسیاتی پریشانی کا واحد سبب یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق نہیں کرتے ہیں اور عدم تصدیق ہی ان کی ساری حیلہ سازیوں، بہانہ بازیوں اور غلط بیانیوں کا سرچشمہ ہے۔

رابعاً: یہ کہ فقہ اسلامی کی بنیادی اور ذاتی عظمت و وقعت میں شک کے شوشے چھوڑنا۔ تاریخ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ آج تک کسی بھی امت کو فقہ اسلامی جیسا قانون میسر نہیں ہوا، جب مستشرقین کو فقہ اسلامی کی عظمت و رفعت کا علم ہوا تو وہ بہت پشیمان ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے ہی لہذا جب انہیں کچھ اور نہ ملا تو یہی لکھ دیا کہ فقہ اسلامی رومانی قانون سے ماخوذ ہے (یعنی مغربی قوانین سے ماخوذ ہے)۔ جب مستشرقین کا یہ دعویٰ سامنے آیا تو ہمارے محققین علما خاموش نہ رہے بل کہ ان کے سارے دعووں کا علمی اور تحقیقی جواب دے کر ان کا پرچمہ اڑا دیا، اسی موضوع پر ”لاہائی“ میں منعقد ہونے والی ”مؤتمر القانون المقارن“ نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہ اسلامی قرآن و سنت سے ماخوذ مستقل قانون ہے اور وہ کسی دوسرے قانون سے ماخوذ نہیں ہے۔ اس کا نفرس کی رپورٹ ہی مغربی ہٹ دھرم محققین کے لیے دندان شکن جواب ہے اور انصاف پسند اور متلاشیان حق محققین کی تشفی کے لیے کافی و وافی ہے۔

خامساً: عربی زبان کے سائنسی ترقی کے پہلو بہ پہلو چلنے کی طاقت و قدرت میں شک

یہ کتاب مولف کی زندگی ہی میں شائع ہو چکی ہے اور اشاعت کا سلسلہ اب بھی جاری ہے کتاب کے مضامین، نکات اور باریکیوں سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک محقق نے علم کا دریا بہایا ہے۔

پیدا کرنا، تاکہ ہم ہمیشہ ان کی اصطلاحات کے محتاج رہیں اور ہمیشہ ہمیں ان کی احسان مندی اور ادبی حکم رانی کے تسلط کا احساس رہے۔

نیز عربی لٹریچر کی بے نیازی میں شک کی بیج ڈالنا اور اسے ایک خشک اور دوسری ادبیات کا محتاج ادب باور کرانا (یہ ان کے مقاصد میں سے رہے ہیں) تاکہ ہم ان کی ادبیات کی طرف متوجہ ہوں۔

یہی وہ علمی اور ادبی سامراج ہے جس کو وہ فوجی سامراج سے ملانا چاہتے ہیں۔ یہ رہے وہ علمی اغراض و مقاصد جن میں مستشرقین کی بھاری اکثریت سرگرم عمل ہے۔

(۲) دینی اور سیاسی اغراض و مقاصد:

اولاً: اس کا خلاصہ چند سطروں میں یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، شریعت اسلام، اور فتنہ اسلامی کی تحقیق کے نام پر شکوک و شبہات کے ایسے شوشے چھوڑنا جو مسلمانوں کی اپنی علمی اور ایمانی تراش پر خود اعتمادی کو مجروح کریں۔ یاد رہے کہ اس کے پیچھے مستشرقین کے دو مقصد کار فرما ہیں:

ایک تو دینی مقصد اور دوسرا سامراجی مقصد

ثانیاً: مسلمانوں کے دلوں میں ان کے تہذیبی سرمایہ کی اقدار و روایات کے متعلق شک ڈال دینا۔ چنانچہ مستشرقین اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی تہذیب و تمدن رومانی تہذیب و ثقافت سے منقول ہے، اہل عرب نے رومانی تہذیب و تمدن، اس کے فلسفہ اور اس کے آثار و علامات کو نقل کیا ہے، خود ان کی اپنی کوئی جدید فکر اور نئی تہذیب نہیں ہے۔ اور یہ کہ اسلامی تہذیب و ثقافت میں ہر قسم کی خرابیاں اور خامیاں پائی جاتی ہیں، اسی لیے جب بھی مغربی محققین کو اسلامی تہذیب کی اچھائیوں کا ذکر کرنا پڑتا ہے تو وہ بہت اختصار سے اور بادلِ ناخواستہ بیان کرتے ہیں۔

ثالثاً: اسلامی علمی سرمایوں پر مسلمانوں کے اعتماد میں ضعف پیدا کرنا اور مسلمانوں کے جو عادات و اطوار، اقدار و روایات، عقائد و نظریات اور اعلیٰ اخلاقی نمونے ہیں ان میں شکوک

وشبہات پیدا کرنا اور انہیں اس طرح مشکوک اور ناقابل عمل بنانا کہ مسلمانوں کو خود اپنے ہی عقائد و نظریات میں تذبذب ہونے لگے، تاکہ مسلمانوں پر سامراجیت کو منظم اور مستحکم طریقے سے مسلط کرنا سہل ہو جائے اور ان کے درمیان مغربی تہذیب و ثقافت کو پھیلانا آسان ہو جائے، تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے اسلامی تہذیب و ثقافت کا اثر و رسوخ نکال کر مغربی تہذیب و تمدن کی محبت کو داخل کیا جاسکے اور مسلمانوں کے دلوں میں مغربی تہذیب سے مقابلے کے جذبہ کو کم زور سے کم زور تر کیا جاسکے۔

رابعاً: ورود اسلام سے قبل کی وطنیت (قومیت) کو زندہ کر کے عوام کے درمیان اختلافات کی آگ بھڑکا کر مختلف مسلم ممالک کے لوگوں کے درمیان اسلامی اخوت اور بھائی چارگی کا خاتمہ کرنا۔ مغرب کے لوگ عرب ملکوں کے شیرازہ کو منتشر کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور ان کے اتحاد و یکتائیت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ حقائق کی تحریف و تبدیل کے لیے ان کے ذہن و دماغ میں جو بھی حربہ آتا ہے اس کو استعمال کر گزرتے ہیں، اور ماضی کی تاریخ مرقوم شاذ و نادر حوادث کو لے کر ایک ایسی نئی تاریخ مرتب کر دیتے ہیں جو عرب ممالک کے آپسی اتحاد میں دراڑ ڈال سکے اور عرب ممالک کی عوام کے مابین حق و عدل اور خیر و خوش حالی کی شرکت میں رکاوٹ بن سکے۔

(۳) خالص علمی اغراض و مقاصد:

معدودے مستشرقین ایسے ہیں جن کا مقصود صرف اور صرف بحث و تحقیق ہے اور اسلامی اور عربی تراش کا ایسا مطالعہ کرنا ہے جس سے بعض مخفی حقائق ان پر اجاگر ہو سکیں، مگر یہ مستشرقین ابھی اپنی بحث و تحقیق میں اخلاص کے باوجود غلطیوں اور حق سے بعید مستنبط نتائج سے محفوظ نہیں رہتے ہیں، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ عربی زبان کے اسلوب سے ناواقف ہیں یا یہ کہ وہ تاریخ اسلامی کی فضا اور ماحول سے حقیقت میں آشنا ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ اسلامی معاشروں کا تصور اسی طرز پر کرتے ہیں جس طرح وہ اپنے معاشرہ کو دیکھتے ہیں۔ اس

طرح وہ طبعی، نفسیاتی اور زمانے کے ان سارے فروق کو بھول جاتے ہیں جو ان کے زیر مطالعہ تاریخی ماحولیات کے درمیان اور ان کے بود و باش کے ماحولیات کے درمیان امتیاز پیدا کرتے ہیں۔

یہ جماعت تینوں جماعتوں میں سب سے بہترین مقاصد کی حامل ہے اور اس کے خطرے بھی کم ہیں، کیوں کہ یہ جماعت حق کے واضح ہوتے ہی اس کی طرف رجوع کر لیتی ہے اور بعض اپنی اپنی تمام تر فکر و نظر اور قلب و نگاہ کے ساتھ اسی ماحول کے ہو کر رہ جاتے ہیں جو ماحول ان کے زیر تحقیق ہوتا ہے، لہذا ہوتا یہ ہے کہ وہ ایسے نتائج تک پہنچ جاتے ہیں جو سچ اور واقع کے عین مطابق ہو، لیکن اس قسم کے مستشرقین سابقہ دونوں بڑے مقاصد کی حامل جماعتوں کے ظلم و تشدد کا نشانہ بن جاتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ لوگ علمی منہج سے منحرف یا جذبات سے کام کرنے والے اور مسلمانوں کی دل جوئی اور ان کا قرب حاصل کرنے والے گردانے جانے لگتے ہیں۔ جیسا کہ ”توماس“ اور ”ارنولڈ“ کے ساتھ یہی سلوک اختیار کیا گیا۔ جب انھوں نے اپنی عظیم الشان کتاب ”الدعوة إلى الإسلام“ میں مسلمانوں کے ساتھ انصاف سے کام لیا اور ہر زمانے میں مختلف ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ مسلمانوں کے حسن سلوک کو مدلل طور پر ثابت کیا اور مسلمانوں کے ساتھ دیگر ادیان کے متبعین کے طرز تعامل کو بھی بیان کیا۔

درحقیقت ان کی یہ کتاب اسلام میں دینی تسامح کی تاریخ کے سلسلے میں سب سے زیادہ معتمد اور سب سے زیادہ تحقیقی مرجع کی حیثیت سے تسلیم کی جاتی ہے، لیکن متعصب مستشرقین خصوصاً عیسائی مبلغین کی ان کے بارے میں یہ تنقید ہے کہ اس کتاب کا مؤلف مسلمانوں کی محبت اور جذبہ مہربانی سے سرشار تھا، جب کہ اس کتاب کے مصنف نے اس کتاب کے ایک واقعہ کو اس کے حوالے کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

مستشرقین میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنھوں نے حق تک رسائی کے لیے اسلام کو اپنایا اور اسلام کے دفاع میں اہل مغرب کے حلقوں میں اپنی علمی تحقیقات کو پیش کیا جیسا کہ

مشہور فرانسیسی آرٹسٹ مستشرق ”دینیہ“ نے کیا، جو ”الجیریا“ کا مقیم تھا، جب اس نے اسلامی علوم و فنون کا مطالعہ کیا تو اتنا متاثر ہوا کہ قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا اور اپنا اسلامی نام ”ناصر الدین دینیہ“ منتخب کیا۔ حضور تاج دارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر اس نے ایک جزائری عالم سے مل کر ”أشعة خاصة بنور الإسلام“ نامی کتاب بھی تصنیف کی۔ اس کتاب میں ”ناصر الدین دینیہ“ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اپنی قوم کی زیادتیوں اور جانب دارانہ رویوں کو بہت ہی کھلے لفظوں میں بے نقاب کیا ہے۔ اس مسلم مستشرق نے فرانس میں وفات پائی، لیکن اس کی لاش کو ”جزائر“ منتقل کیا گیا اور وہیں اس کو دفن کیا گیا۔

اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے مستشرقین کے اسباب و وسائل

مستشرقین نے اپنے عقائد و نظریات اور افکار اور تحقیقات کی نشر و اشاعت کے لیے ہر ممکنہ وسائل کا استعمال کیا۔ چند وسائل کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں:

(۱) مستشرقین نے مذہب اسلام، اسلامی رجحانات و خیالات، پیغمبر اسلام اور دین اسلام کی مقدس کتاب قرآن سے متعلق مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے اکثر تصانیف میں نصوص و عبارات کی نقل اور تاریخی واقعات کے فہم و ادراک اور ان سے نتیجہ اخذ کرنے میں ایک منظم پلان کے تحت تحریف و تبدیل اور علمی خیانت کا ثبوت دیا ہے۔

(۲) مستشرقین نے اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے دوسرا طریقہ یہ اپنایا کہ مذہب اسلام، اسلامی ممالک اور قوم مسلم پر جو ان کی تحقیقات ہیں ان کی نشر و اشاعت کے لیے خصوصی طور پر ماہ نامے جاری کیے۔

(۳) عالم اسلام میں عیسائی تبلیغی مشن کو اس طرح پیش کرنا کہ اس میں بہ ظاہر انسانی فائدہ اور خدمت خلق نظر آئے۔ مثلاً ہاسپٹل کی تعمیر، آرگنائزیشنس، اسکول، پناہ گاہ، یتیم خانے اور سرائے وغیرہ کی تعمیر اور وقتاً فوقتاً کھانے کی پارٹیوں کا اہتمام کرنا اور مسیحی نوجوانوں کے لیے تنظیمیں قائم کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(۴) یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں لکچرز کا اہتمام کرنا۔ یہاں قابل افسوس اور باعث حیرت بات یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں لکچر دینے کی غرض سے اسلام کے سب سے زیادہ خطرناک، متعصب اور سخت ترین دشمن مقررین کو قاہرہ، دمشق، بغداد، رباط، کراچی، لاہور اور علی گڑھ جیسی اسلامی اور عربی یونیورسٹیوں میں مدعو کیا جاتا رہا ہے۔

(۵) مقامی اخباروں میں تحریفات پر مبنی اپنے مقالات و مضامین شائع کروانا۔ اس کے لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہمارے ملکوں کے چند مقامی اخباروں کو خرید لیا۔ چنانچہ اس موضوع پر ڈاکٹر عمر فروخ اور ڈاکٹر مصطفیٰ الخالدی کی تصنیف کردہ کتاب ”التبشیر و الاستعمار“ (۱) بہت ہی معلومات افزا تاریخی دستاویزوں کا مجموعہ ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کتاب سامراجیت کے فروغ و ترقی کے لیے مستشرقین اور مشنریز کی طرف سے کی گئی خدمات پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی و وافی ہے۔ آئیے اسی کتاب کا ایک پیرا گراف ملاحظہ کرتے چلیں!

”یعلن المبشرون أنهم استغلوا الصحافة المصرية على الأخص للتعبير عن الآراء المسيحية أكثر مما استطاعوا في أي بلد إسلامي آخر، لقد ظهرت مقالات كثيرة في عدد من الصحف المصرية، إمام أجورة في أكثر الأحيان، أو بلا أجره في أحوال نادرة.“

”عیسائی مبلغین یہ اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے عیسائی افکار و نظریات کی نشر و اشاعت کے لیے دوسرے اسلامی ممالک کے بہ نسبت مصری صحافت کو خاص طور پر سب سے زیادہ استعمال کیا ہے۔ مصری اخباروں میں ان کے بہت سارے مقالات اور مضامین شائع ہو چکے ہیں، یا تو اجرت کے بدلے جیسا

مذہب اسلام پر لکچر دینے کے لیے ہر پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ مسلمان کو یہ کتاب ضرور پڑھنا چاہیے۔ یہ کتاب بیروت لبنان سے دوسرے شائع ہو چکی ہے۔ ماضی میں بعض سامراجیت کے حامی عناصر شام جیسے عربی اور اسلامی ملک میں اس کی اشاعت پر پابندی لگانے کی کوششیں کر چکے ہیں۔

کہ اکثر ہوتا آیا ہے یا بغیر اجرت کے جو کہ نادر ہے۔“

(۶) کانفرنسوں کو منعقد کرنا، تاکہ مستشرقین اپنے ان منصوبوں اور عزائم کو پختہ اور مضبوط کر سکیں جن کو یہ ظاہر وہ علمی تحقیقات کا نام دیتے ہیں۔ مستشرقین کی اس طرح کی منصوبہ بند کانفرنسیں ۱۷۸۳ء سے لے کر آج تک منعقد ہوتی چلی آرہی ہیں۔

(۷) اسلامک ان سائی کلو پی ڈیا تیار کرنا۔ مستشرقین اب تک اس کو کئی زبانوں میں شائع کر چکے ہیں اور اب اس کا نیا ایڈیشن بھی جاری کرنے لگے ہیں۔

۱۹۵۶ء میں جب میں آکسفورڈ گیا اور اسلامک ان سائی کلو پی ڈیا کے سیکریٹری سے ملاقات کی تو اس کے دوسرے ایڈیشن کے پہلے جز پر میں مطلع ہوا اور اب اس کے پہلے ایڈیشن کا عربی ترجمہ شروع ہو چکا ہے۔ اب تک اس کی تیرہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس ان سائی کلو پی ڈیا کو اسلام دشمن عناصر اور متعصب قسم کے مستشرقین نے ترتیب دیا ہے، اور حقیقت بات تو یہ ہے کہ انہوں نے شہد میں زہر گھولنے کے مرادف کام کیا ہے۔ اسلام اور اس سے متعلق عقائد و نظریات کے بارے میں جھوٹی اور غلط باتوں کو بھر دیا ہے۔ نہایت ہی افسوس ناک بات ہے کہ ہمارے مذہب کے تعلیم یافتہ حضرات اس کو ایک مرجع کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں اور اس کو ثقہ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ ان تعلیم یافتہ حضرات کی کوتاہی، کم علمی اور اسلامی ثقافت سے ناواقفیت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یہ تھے مستشرقین کے اغراض و مقاصد اور اسباب و وسائل سے متعلق مختصر کلمات جن کو میں نے ابھی صفحہ قرطاس پر تحریر کیا۔

اب میں چاہتا ہوں کہ دورِ حاضر کے متعصب مستشرقین، غلط بیانیوں سے پران کی اہم کتابوں اور ان کے ان مسموم اور ایمان سوز اخبار و رسائل کا بھی ذکر کرتا چلوں جن کو وہ بڑے بڑے سامراجی ملکوں میں اپنے دورِ سامراجیت میں شائع کرتے رہے ہیں، تاکہ قارئین کرام مکمل طور پر اس سے اپنی تشنگی بجھا سکیں۔ (۱)

مستشرقین کے اخبارات و رسائل، مشہور مستشرقین کے اسما اور ان کی کتابوں کی فہرست ڈاکٹر محمد الہی کی کتاب "المبشرون والمبشرون وموقفهم من الإسلام" سے ماخوذ ہے۔

مستشرقین کے اہم اخبارات و رسائل

- (الف) ۱۷۸۷ء میں فرانسیزیوں نے مستشرقین کی ایک تنظیم قائم کی اور ۱۸۲۰ء میں اس کو ایک دوسری جمعیت کے ساتھ ضم کر دیا پھر اس کے زیر سرپرستی ایشین میگزین "*Asian Magazine*" "المجلة الآسيوية" نامی رسالہ جاری کیا۔
- (ب) ۱۸۲۳ء میں لندن "*London*" میں مشرقی علوم کی تحقیق کی غرض سے ایک تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔ بادشاہ نے بہ ذاتِ خود اس کی سرپرستی قبول کی اور اس تنظیم کی جانب سے "مجله الجمعية الآسيوية الملكية" نام کا رسالہ شائع ہونے لگا۔
- (ج) ۱۸۲۴ء میں امریکیوں نے ایک جمعیت کی بنیاد ڈالی اور "المجلة الشرقية الأمريكية" نامی رسالہ شائع کیا۔ اسی سال جرمن کے مستشرقین نے اپنا ایک خاص رسالہ شائع کیا۔ اسی طرح آسٹریا "*Austria*"، اٹلی "*Italy*" اور "*Russia*" کے مستشرقین نے بھی رسالے اور ماہ نامے جاری کیے۔
- (د) "مجله جمعية الدراسات الشرقية" یہ ان رسالوں میں سے ایک ہے جن کو مستشرقین نے اسی صدی میں جاری کیا ہے۔ یہ اوہیو "*Ohio*" کے شہر گیمبیر "*Gambier*" سے شائع ہو رہا تھا، لندن "*London*"، پیرس "*Paris*" اور کناڈا "*Canada*" کے شہر ٹورنٹو "*Toronto*" میں اس کی کئی شاخیں ہیں، لیکن وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ رسالہ اب بھی شائع ہو رہا ہے یا بند ہو چکا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ان سارے رسائل کا عام رنگ و مزاج وہی سیاسی استشراتی مزاج ہی ہوتا ہے، اگرچہ یہ وقتاً فوقتاً بعض دینی مسائل اور خصوصی کتابوں کے بارے میں بیانات بھی

جاری کرتے رہتے ہیں۔

(ھ) عصر حاضر میں امریکی مستشرقین "مجلة شئون الشرق الأوسط" اور "مجلة الشرق الأوسط" نامی رسالہ جاری کر رہے ہیں اور اس کو سیاسی استشراق کے طرز پر شائع کرتے ہیں۔

(و) دورِ حاضر میں امریکی مستشرقین کا سب سے خطرناک اور زہریلا رسالہ "العالم الإسلامي" "The Muslim World" ہے۔ صمویل زویمر "Zweimer" نے ۱۹۱۱ء میں اس کی بنیاد رکھی اور اس وقت یہ رسالہ امریکہ "America" کے شہر ہارٹفورڈ "Hartford" سے شائع ہو رہا ہے۔ اس رسالہ کا مدیر اعلیٰ کینیٹھ کریگ "K. Cragg" نامی ایک شخص ہے اور اس رسالہ میں کھلے طور پر مشنری روح کا فرما ہوتی ہے۔

(ز) فرایسی مستشرقین کا بھی "The Muslim World" اسی طرح ایک رسالہ ہے جو اپنی معنویت، مشنری ورک "Missionary Work" اور اسلام مخالف خیالات و نظریات کے اعتبار سے "العالم الاسلامی" نامی رسالہ سے کافی حد تک ملتا جلتا ہے۔

عصر حاضر کے متعدد مستشرقین اور ان کی اہم کتابوں کے اسما (۱) اے۔ جے۔ اربیری "A. J. Arberry": یہ انگریز مستشرق ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس کا تعصب بہت مشہور ہے۔ "دائرة المعارف الإسلامية" "The Encyclopaedia of Islam" کے لکھنے والوں میں اس کا نام سرفہرست ہے۔ اس وقت وہ کیمبرج یونیورسٹی "Cambridge University" میں پروفیسر ہے، اور مقام افسوس تو یہ ہے کہ اکثر مصری طلباء جو انگلینڈ "England" میں "الدراسات الإسلامية واللغوية" "Islamic and Language Studies" کے فارغ ہیں وہ ان کا اتنا ہے۔ اس کی تعینقات درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	اسما	سن طباعت
۱	الإسلام اليوم	۱۹۴۳ء
۲	مقدمة لتاریخ التصوف	۱۹۴۷ء
۳	التصوف	۱۹۵۰ء
۴	ترجمة القرآن	۱۹۵۰ء

(۲) الفرڈ جیوم "A. Geom": یہ بھی دورِ حاضر کا انگریز مستشرق ہے۔ اسلام کے خلاف تعصب میں بہت مشہور ہے۔ انگلینڈ اور امریکہ کی کئی یونیورسٹیز میں لکچر دے چکا ہے۔ اس مستشرق کی تحریر اور افکار و نظریات پر ہمیشہ عیسائی تبلیغ کارنگ غالب رہا ہے، اور قابل افسوس بات یہ ہے کہ اکثر طلباء جنھیں مصری حکومت نے مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے بھیجا ہے وہ سب اس کے شاگرد ہیں۔ اس کی مشہور و معروف تصنیف "الاسلام" ہے۔

(۳) بیرن کاراڈی وکس "Baron Carrade Vaus": یہ فرانسیسی مستشرق ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت ہی متعصبانہ نظریہ رکھتا ہے۔ "The Encyclopaedia of Islam" کی تحریر میں بہت ہی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

(۴) ایچ۔ اے۔ آر۔ گب "H.A.R. Gibb": یہ انگلینڈ کے موجودہ مستشرقین میں سب سے بڑا مستشرق ہے۔

مصر میں "المجمع اللغوی" کا ممبر رہ چکا ہے۔ فی الحال وہ امریکہ کی ہارفورڈ یونیورسٹی میں "الدراسات الاسلامیة و العربیة" "Islamic and Arabic Studies" کا پروفیسر ہے۔ اس مستشرق نے

اسلامی ان سائی کلوپی ڈیا "The Encyclopaedia of Islam" کی تحریر و

اشاعت میں زبردست کردار ادا کیا ہے۔ اس کی تصنیفات کثیر تعداد میں ہیں جو بہت

ہی شہرت اور اہمیت کی حامل ہیں اور یہی اس کی عظمت و شہرت کا راز بھی ہے۔ اس

کی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ”طریق الإسلام“: اس کتاب کو اس نے مشترکہ طور پر تصنیف کیا ہے اور انگلش سے عربی میں ترجمہ کے بعد اس کا نام ”طریق الاسلام“ منتخب کیا گیا۔

(۲) ”الاتجاهات الحديثة في الإسلام“ ۱۹۲۷ء میں یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ دوسرا ایڈیشن بھی نکل چکا ہے اس کتاب کا نام عربی میں ترجمہ کے بعد ”الاتجاهات الحديثة في الإسلام“ رکھا گیا ہے۔

(۳) ”المذهب البعدي“: یہ کتاب ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی آچکا ہے۔

(۴) ”الإسلام و المجتمع الغربي“: یہ کتاب کئی جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی تالیف میں بھی کئی حضرات شریک رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اس مستشرق کے مختلف موضوعات پر کئی مضامین اور مقالات بھی ہیں۔

(۵) گولڈ زیہر ”Gold zihar“: بہت ہی مشہور زمانہ مستشرق ہے۔ اس کی اسلام دشمنی اور اسلام کے خلاف اس کی زہر آلود اور دل دکھانے والی تحریریں کسی پر مخفی نہیں ہیں۔ ”The Encyclopaedia of Islam“ کے لکھنے والوں میں سے ایک ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ پر اس مستشرق نے بہت کچھ تحریر کیا ہے۔ ”تاریخ مذهب التفسیر الإسلامی“ اسی کی تصنیف ہے جس کا عربی ترجمہ اسی نام سے ہو چکا ہے۔

(۶) جون مائرڈ ”Jone Maynard“: یہ متعصب امریکی مستشرق ہے۔ امریکی رسالہ ”مجلة جمعية الدراسات الشرقية“ کی تحریر و اشاعت میں برابر حصہ لیتا رہا ہے، خصوصاً اس باب میں جو ان نئی کتابوں کے لیے مخصوص ہے جو اسلام اور مشرق کے ماحول و تواریخ سے تعلق رکھتی ہیں۔ (مزید معلومات کے لیے ۱۹۲۴ء میں جاری شدہ ماہ اپریل کے شمارہ کا بائیس واں صفحہ ملاحظہ کیجیے اور اسی رسالہ میں اپریل کے بعد شائع شدہ دو شماروں کا بھی مطالعہ کریں)

(۷) ایس۔ ایم۔ زویمر "S.M. Zweimer" : اس مستشرق کا نام مشنریز مستشرقین میں آتا ہے۔ اس کی اسلام دشمنی کی شدت بہت معروف ہے۔ یہی وہ مستشرق ہے جس نے امریکی مشنری رسالہ "العالم الإسلامی" "The Muslim World" کی بنیاد ڈالی ہے۔ "الإسلام متحد لعقيدة" نامی اس کی مشہور کتاب ہے جو کہ ۱۹۰۸ء میں منظر عام پر آئی، اور یہی مستشرق "الإسلام" نامی کتاب کا بھی ناشر ہے جو درحقیقت اس کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جس کو اس نے ہندوستان کے مشہور تاریخی شہر لکھنؤ "Lucknow" میں ۱۹۱۱ء میں منعقد دوسری مشنری کانفرنس میں پیش کیا تھا۔ اور اس کی انہیں مشنری کوششوں کے اعزاز میں امریکی عوام نے ایک وقف بورڈ بھی قائم کیا جو اسی کے نام سے موسوم ہے، جس کا مقصد صرف اور صرف عقیدے کی درس و تدریس اور مشنریز کی ٹریننگ ہے۔

(۸) عزیز عطیہ سوریال: یہ مصری عیسائی ہے۔ ایک زمانے میں یہ اسکندریہ یونیورسٹی، اسکندریہ، مصر "Alexandria University" میں پروفیسر تھا۔ لیکن اس وقت یہ امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر ہے۔ اسلام اور مسلم دشمنی اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اس نے بہت کانٹ چھانٹ کیا ہے۔ مصر اور مسلمانوں سے دور ہونے کے سبب اسلام دشمنی اور تحریف و تغیر کا بڑا اچھا موقع پایا ہے۔ صلیبی جنگوں سے متعلق اس کی کچھ کتابیں بھی ہیں۔

(۹) جی۔ فون۔ گرنیم "G. Von. Grunbaum" : یہ جرمنی کا اصلی باشندہ ہے اور یہودی مستشرق ہے۔ امریکن یونیورسٹی میں اس کو لکچر دینے کے لیے بلایا جاتا تھا۔ حالانکہ وہ شیکاگو یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ اسلام کا کٹر دشمن ہے۔ اس کی جتنی بھی تحریریں ہیں سب بے ہودہ اور بے بنیاد باتوں سے بھری پڑی ہیں۔ اس نے مسلمانوں اور اسلامی اقدار و روایات کو اپنی تحریروں میں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہے۔ بہت سارا تحریری کام بھی کیا ہے۔ مستشرقین اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل کتابیں اسی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں:

نمبر شمار	اسماء کتب	سن طباعت
۱	إسلام العصور الوسطی	۱۹۴۶ء
۲	الأعیاد البھدیة	۱۹۵۱ء
۳	محاوالات فی شرح الإسلام المعاصر	۱۹۴۷ء
۴	دراسات فی تاریخ الثقافة الإسلامیة	۱۹۵۴ء
۵	الوحدة والتنوع فی الحضارة الإسلامیة	۱۹۵۵ء
۶	الإسلام	۱۹۵۷ء

”الإسلام“ اس کے مختلف مقالات کا مجموعہ ہے۔

(۱۰) فیلیپ ہٹی ”Ph. Hitti“: یہ لبنانی عیسائی ہے جو امریکی ہو گیا ہے۔ امریکہ میں

”پرسٹون یونیورسٹی“ میں ”قسم الدراسات الشرقیة“ کا پروفیسر تھا، بعد

میں وہ اسی ڈپارٹمنٹ کا چیرمین ہو گیا اور اب وہ پنشن پر زندگی بسر کر رہا ہے۔ اسلام کا

بہت ہی سخت ترین دشمن ہے۔ امریکہ میں عرب مسائل کے دفاع کی نمائش کرتا ہے

اور مشرق وسطیٰ کے معاملات کے سلسلے میں امریکی وزارت خارجہ کا غیر سرکاری مشیر

ہے، اس کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ انسانی ثقافت کی تعمیر میں اسلام کے کردار کو

مجروح کرے، وہ کسی بھی فضیلت و عظمت کو مسلمانوں کی طرف منسوب کرنا گوارا نہیں کرتا

ہے۔ مثلاً اس نے ۱۹۴۸ء میں شائع شدہ ”دائرة المعارف الأمريكية“ میں

”الأدب العربی“ کے عنوان کے تحت صفحہ ۱۲۹ پر تحریر کیا ہے:

”ولم تبدأ أمارات الحياة الأدبية الجديدة بالظهور إلا فی

القسم الأخير من القرن التاسع عشر، و كان الكثرة من

قادة هذه الحركة الجديدة نصاری من لبنان، تعلموا و

استوحوا من جهود المبشرين الأمريكيين۔“

”اور عرب کے یہاں جدید ادبی زندگی کے آثار و علامات انیسویں صدی

کے اخیر میں ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ اس نئی تحریک کے قائدین کی اکثریت

لبنان کے نصاریٰ کی تھی جنہوں نے امریکن مشنریز سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور جن کے افکار و نظریات کی تشکیل مستشرقین کی تعلیمات سے ہوئی۔“
مستشرق ”فیلیپ ہٹی“ کی اسلام اور مسلمانوں کی اہمیت و عظمت کو گھٹانے کی کوششیں صرف دورِ جدید ہی پر منحصر نہیں ہیں بل کہ وہ تاریخِ اسلامی کے سارے ادوار پر منطبق ہوتی ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل کتابوں میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے:

(۱) ”تاریخ العرب“: یہ کتاب انگلش زبان میں شائع ہوئی ہے۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اس کتاب میں اسلام پر طعن و تشنیع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مذاق و تمسخرِ جاہلہ جانا نظر آتا ہے جو مولف کے نظریہٴ بغض و حسد اور اسلام دشمنی پر واضح دلیل ہے۔ مزید معلومات کے لیے مطالعہ کیجیے کراچی پاکستان سے شائع شدہ ”الإسلام“ *Al-Islam* نامی انگلش رسالہ ۱۹۵۸ء ماہ اپریل کے شمارہ کا ایک سواڑتیس واں (۱۳۸) صفحہ اور ۱۹۵۸ء ماہ مئی کے شمارہ کا ایک سو چھیالیس واں (۱۴۶) صفحہ۔ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے گئے طعن و تشنیع کو پڑھ کر دل مجروح ہو جاتا ہے۔
(۲) تاریخِ سوریا۔

(۳) أصل الدروز و دیانتہم، سن طباعت ۱۹۲۸ء

(۱۱) اے۔ جے۔ ویلنک *A.J. Wensink*: ”إسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ہی کٹر دشمن ہے۔“ ”المجمع اللغوی البصری“ کا ایک زمانے میں رکن تھا، لیکن جب ڈاکٹر حسین الہواری (جو ”المستشرقون و الإسلام“ نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ سن طباعت ۱۹۳۶ء) نے اس کی بدینتی کے بارے میں مسئلہ اٹھایا تو اسی مسئلہ کے بعد اسے ”المجمع اللغوی البصری“ کی رکنیت سے برطرف کر دیا گیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ”ویلنک“ مستشرق نے قرآنِ مقدس اور رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سے پہلے دینی اور فلسفیانہ قسم کی کتابوں کے نچوڑ اور خلاصہ سے قرآن کی تالیف کی ہے۔ مزید معلومات کے لیے "المستشرقون و الإسلام" صفحہ ۱۷۱ اور اس کے بعد کے اوراق کا مطالعہ کریں۔ ۱۹۳۲ء میں "وینسک" کی "عقیدۃ الإسلام" نامی شائع ہونے والی کتاب انہیں بے بنیاد دعووں پر مشتمل ہے جو بہت ہی مشہور و معروف ہے۔

(۱۲) کینیڈہ کریگ "K. Cragg": یہ بہت بڑا مسلم دشمن اور متعصب قسم کا امریکی مستشرق ہے۔ ایک عرصہ تک اس نے امریکن یونیورسٹی، قاہرہ، مصر "American University Cairo Egypt" میں درس و تدریس کا کام انجام دیا ہے اور اس وقت وہ امریکی مشنری رسالہ "العالم الإسلامی" کا مدیر اعلیٰ ہے اور ہارفورڈ یونیورسٹی "Hartford University" کے "قسم اللہوت المسیحی" "Department of Christian Theology" کا چیرمین اور مشنریز کامرہی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں شائع ہونے والی "دعوة المہذنة" نامی کتاب اسی مستشرق کی تالیف ہے۔

(۱۳) لونی میسگن "L. Massignon": موجودہ دور کے فرانسیسی مستشرقین میں سب سے بڑا مستشرق ہے۔ نارتھ افریقہ "North Africa" میں "مٹری آف فرانسیسی کالونیز" کا مشیر ہے اور مصر میں جو سرگرم فرانسیسی مشنری تنظیمیں قائم ہیں ان کا وہ روحانی سرپرست ہے۔ اسلامی دنیا کا وہ کئی بار دورہ کر چکا ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں پانچ سال تک فرانسیسی فوج میں ملازمت کی ہے۔ مصر میں "المجمع اللغوی" اور دمشق شام میں "المجمع العلمی العربی" کا ممبر رہ چکا ہے۔ فلسفہ اور اسلامی تصوف پر اس نے تخصص کیا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں شائع ہونے والی "الحلاج الصوفی الشہید فی الإسلام" نامی کتاب اسی کی تصنیف ہے۔ فلسفہ اور تصوف پر اس کی دوسری کتابیں اور تحقیقات بھی ہیں۔ "The Encyclopaedia of Islam" کے لکھنے والوں میں اس کا نام سرفہرست ہے۔

(۱۴) ڈی۔ بی۔ میکڈونلڈ "D.B. Macdonald" : یہ امریکی مستشرق ہے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متشدد اور متعصب قسم کے مستشرقین میں سے ایک ہے۔ اس کی تحریروں میں جگہ جگہ مشنری روح کا جلوہ نظر آتا ہے۔ "The Encyclopaedia of Islam" کے اہم قلم کاروں میں سے ہے۔ اس کی چند کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) "تطور علم الکلام و الفقه و النظرية الدستورية في الإسلام" سن طباعت ۱۹۰۳ء

(۲) "البوقف الديني والحياة في الإسلام" سن طباعت ۱۹۰۸ء

(۱۵) ایم۔ گرین "M. Green" "الشرق الأوسط" نامی رسالہ کا سیکریٹری ہے۔

(۱۶) مجید قدوری: یہ عراقی عیسائی ہے۔ واشنگٹن میں "جون ہو بکنز یونیورسٹی" میں "قسم

دراسات الشرق الأوسط" کا چیرمین اور "معهد الشرق الأوسط

للأبحاث والتربية" کا مدیر ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس مستشرق

کے دل میں حسد و تعصب اور بغض و کینہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اس کی ایک کتاب

یہ نام "الحرب والسلام في الإسلام" ۱۹۵۵ء میں منظر عام پر آئی تھی جو طعن و

تشنیع اور غلطیوں سے پر تھی۔ اس نے دوسرے مقالات و مضامین بھی تحریر کیے ہیں۔

(۱۷) ڈی۔ ایس۔ مرگولیوٹھ "D.S. Margoliouth" : یہ انگریز مستشرق ہے۔ اسلام

کے خلاف بہت متعصبانہ نظریہ رکھتا ہے۔ "The Encyclopaedia of

"Islam" کے قلم کاروں میں سے ہے۔ مصر میں "المجمع اللغوي" اور دمشق

(شام) میں "المجمع العلمي" کا رکن تھا۔ اس کی معروف کتابیں درج ذیل ہیں:

سن طباعت

اسماء کتب

نمبر شمار

۱۹۱۳ء

التطورات المبكرة في الإسلام

۱

۱۹۰۵ء

مهد و مطلع الإسلام

۲

۱۹۱۲ء

الجامعة الإسلامية

۳

(۱۸) آر۔ اے۔ نیکلسن "R.A. Nickolson": انگلینڈ میں اپنے دور کے مستشرقین میں سب سے بڑا مستشرق تھا۔ "The Encyclopaedia of Islam" کی تحریر میں یہ بھی پیش پیش تھا۔ فلسفہ اور اسلامی تصوف میں اس نے تخصص کیا تھا۔ مصر میں "المجمع اللغوی" کا رکن تھا۔ یہ اسلام کو روحانی مذہب نہیں تسلیم کرتا تھا بلکہ اسلام کو مادیت سے متصف کرتا تھا اور اس کا نظریہ ہے کہ اسلام میں انسانی عظمت کا فقدان ہے۔ اس کی چند کتابیں درج کی جاتی ہیں:

(۱) متصوفو الإسلام سن طباعت ۱۹۱۰ء

(۲) التاريخ الأدبی للعرب سن طباعت ۱۹۳۰ء

(۱۹) ہارلی ہول: یہ امریکی رسالہ "مجلة الشرق الأوسط" کا مدیر اعلیٰ ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے سیاسی اور دورِ جدید کے ثقافتی امور میں دل چسپی رکھنے والے رسائل میں سے ایک اہم رسالے کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہے۔

(۲۰) ہنری لیممنز "H. Lammens": فرانس کا باشندہ ہے جو ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوا اور

۱۹۳۷ء میں انتقال کیا۔ "The Encyclopaedia of Islam" میں اس کی بھی تحریر ہے۔ اسلام کے خلاف بہت زیادہ تعصب رکھتا ہے اور بہت ہی کینہ پرور شخص ہے۔ کذب بیانی، افترا بازی اور اسلام دشمنی میں اس قدر تجاوز کر گیا کہ خود مستشرقین اس سے تنگ ہو گئے۔ مثلاً ملاحظہ فرمائیں ۹ جنوری ۱۹۲۵ء میں شائع شدہ امریکی رسالہ "مجلة جمعية الدراسات الشرقية" کی پہلی جلد کا صفحہ ۱۵ اور ۱۶ آپ بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس قدر اس نے افراط و غلو سے کام لیا ہے۔ فرانسیسی زبان میں اس کی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) "الإسلام" (۲) "الطائف"

(۲۱) جوزف شاخت "J. Schacht": یہ جرمن مستشرق ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت ہی متشدد اور متعصب قسم کا مستشرق ہے۔ فقہ اسلامی اور اصول فقہ کے

موضوع پر اس کی کئی ایک کتابیں ہیں۔ ان سائی کلوپی ڈیا آف اسلام "The Encyclopaedia of Islam" اور ان سائی کلوپی ڈیا آف سوشل سائنسیز "Encyclopaedia of Social Sciences" کے مشہور قلم کاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ شہرت یافتہ کتاب "أصول الفقہ الإسلامی" ہے۔

چند زہر آلود کتابوں کے اسما

جو بعض لوگوں کے نزدیک علمی حیثیت کی حامل ہیں

(۱) ان سائی کلوپی ڈیا آف اسلام "The Encyclopaedia of Islam": دُنیا کی مختلف زندہ زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں اور آج بھی اس کے ایڈیشن مسلسل نکل رہے ہیں۔ بعض حصوں کی نئی طباعت ابھی آئی ہے۔

(۲) شارٹر ان سائی کلوپی ڈیا آف اسلام "Shorter Encyclopaedia of Islam"

(۳) ان سائی کلوپی ڈیا آف ریلیجین اینڈ ایٹھکس "Encyclopaedia of Religion and Ethics"

(۴) اسلامی موضوعات سے متعلق مقالات ان سائی کلوپی ڈیا آف سوشل سائنسیز "Encyclopaedia of Social Sciences"

(۵) اسلام اور عرب سے متعلق موضوعات: "دراسة في التاريخ" یہ آرنلڈ ٹوینبی "A. Toynbee" کی تصنیف ہے جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق بھی ایک باب ہے۔

اسلام اور عرب کے موضوع پر مستشرقین کی کتابیں

حیاء محمد: ولیم میور W. Muir

- ۲ الإسلام: الفرڈ جیوم *A. Geom*
- ۳ دین الشیعة: ڈی۔ ایم۔ ڈونلڈسن *D.M. Donaldson*
- ۴ تاریخ شارال الکبیر: بشپ ٹرپن *Bishop Turpin*
- ۵ الإسلام: ہنری لیمنز *H. Lammens*۔ بہ زبان فرانسیسی
- ۶ الإسلام تحد لعقيدة: ایس۔ ایم۔ زویمیر *S.M. Zweimer*۔ بہ زبان انگلش
- ۷ دعوة المئذنة: کینتھ کریگ *K. Cragg*۔ بہ زبان انگلش
- ۸ الإسلام اليوم: اے۔ جے۔ آربری *A.J. Arberry*۔ بہ زبان انگلش
- ۹ ترجمہ القرآن: اے۔ جے۔ آربری۔ انگلش ترجمہ قرآن
- ۱۰ تاریخ مذاہب التفسیر الإسلامی: گولڈ زیہر *Gold zihar*۔ بہ زبان جرمنی شائع ہوئی ہے اور عربی میں ترجمہ ہوا ہے۔
- ۱۱ تاریخ العرب: فیلیپ ہٹی *Ph. Hitti*۔ انگلش اور عربی زبان میں شائع ہوئی ہے، اب تک اس کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔
- ۱۲ اليهودية في الإسلام: ابراہام کاش۔ بہ زبان انگلش
- ۱۳ عقيدة الإسلام: اے۔ جے۔ وینسک *A.J. Wensink*۔ بہ زبان انگلش
- ۱۴ الحلاج الصوفي الشهيد في الإسلام: لوی میسگن *L. Massignon*۔ بہ زبان فرانسیسی
- ۱۵ الحرب والسلام في الإسلام: مجید قدوری۔ بہ زبان انگلش
- ۱۶ تطور علم الكلام و الفقه و النظرية الدستورية في الإسلام: ڈی۔ بی۔ میکڈونلڈ *D.B. Macdonald*۔ بہ زبان انگلش
- ۱۷ الاتجاهات الحديثة في الإسلام: ایچ۔ آر۔ گب *H.R. Gibb*۔ اصل کتاب انگریزی میں ہے اور عربی زبان میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔
- ۱۸ طريق الإسلام: ایچ۔ آر۔ گب۔ اس کتاب کو مستشرقین کی ایک ٹیم نے

انگریزی زبان میں ترتیب دیا ہے۔ اب اس کا عربی زبان میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔
مشرق گب نے اس کتاب میں بھرپور حصہ لیا ہے۔

۱۹ التصوف فی الإسلام: آر۔ اے۔ نیکلسون *R.A. Nicholson*۔ انگریزی
زبان میں شائع ہوئی ہے اور عربی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔

۲۰ مصادر تاریخ القرآن: آر تھر جیفری *Arthur Jeffry*۔ بہ زبان انگلش

۲۱ أصول الإسلام فی بیئته المسیحیة: آر۔ بل *R. Bell*۔ بہ زبان انگلش

۲۲ مقدمة القرآن: آر۔ بل۔ بہ زبان انگلش

۲۳ التطورات المبكرة فی الإسلام: ڈی۔ ایس۔ مرگولیوتھ
D.S. Margoliouth۔ بہ زبان انگلش

۲۴ محمد و مطلع الإسلام: ڈی۔ ایس۔ مرگولیوتھ۔ بہ زبان انگلش

۲۵ الإسلام: ڈی۔ ایس۔ مرگولیوتھ۔ بہ زبان انگلش

۲۶ الجامعة الإسلامیة: ڈی۔ ایس۔ مرگولیوتھ۔ بہ زبان انگلش

۲۷ قنطرة إلى الإسلام: اریک۔ ہیٹمان۔ بہ زبان انگلش

۲۸ إسلام العصور الوسطی: جی۔ وون۔ گرینیم *G. Von Grunebaum*۔
بہ زبان انگلش

۲۹ الإسلام: جی۔ وون۔ گرینیم۔ یہ کتاب دراصل اس مشرق کے ان مختلف مقالات
کا مجموعہ ہے جو انگلش زبان کے مختلف ماہ ناموں میں شائع ہو چکے ہیں۔

۳۰ الأعیاد المحمدیة: جی۔ وون۔ گرینیم۔ بہ زبان انگلش

۳۱ الوحدة والتنوع فی الحضارة الإسلامیة: جی۔ وون۔ گرینیم۔ بہ زبان انگلش

۳۲ دراسات فی تاریخ الثقافة الإسلامیة: جی۔ وون۔ گرینیم۔ بہ زبان انگلش

۳۳ محاولات فی شرح الإسلام المعاصر: جی۔ وون۔ گرینیم۔ یہ کتاب بھی اس
مشرق کے مختلف مقالات کا مجموعہ ہے جو بہ زبان انگلش شائع ہوئی ہے۔

مستشرقین کے نزدیک تحقیق کے پیمانے

جمہور مستشرقین جب اسلامی شریعت پر کچھ تحریر کرتے ہیں تو بحث و تحقیق کا نہایت ہی عجیب و غریب پیمانہ اختیار کرتے ہیں، جب کہ میدان تحقیق میں یہ بات معروف ہے کہ ایک مخلص عالم یا اسکالر جب کسی چیز کی تحقیق کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے تمام ذاتی خواہشات و میلان سے خالی ہو کر انہی نصوص و مراجع کی تلاش و جستجو میں رہتا ہے جن کی ثقاہت اہل علم کے نزدیک مسلم ہے اور جب وہ بحث و تحقیق اور مقارنہ کے بعد کسی خاص نکتہ پر پہنچتا ہے تو وہ اس کے نزدیک ایسا حتمی نتیجہ ہوتا ہے کہ جس کو تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے۔

لیکن ان مستشرقین کا حال تو یہ ہے کہ یہ پہلے ہی اپنے ذہن میں ایک معین فکر رکھ کر اس کے اثبات کے لیے دلائل کا بے محل استعمال کرتے ہیں اور دلائل کے تتبع کے دوران ان کی صحت کی فکر اتنی نہیں ہوتی ہے جتنی کہ ان کو اپنے شخصی آرا کو مستحکم کرنے کے لیے ان دلائل و براہین سے استفادہ کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ اور اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ کسی جزئی واقعہ سے امر کلی کا استنباط کرتے ہیں اور اس طرح کے مقامات پر بہت ہی زیادہ شش و پنج میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر نفس پرستی اور ذاتی اغراض و مقاصد کا دخل نہ ہو تو ان کی ذات کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ساتھ ہی صحیح نتیجے تک وصول بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ بعض مثالیں اطمینان قلب کے لیے پیش کر رہا ہوں:

(۱) مشہور زمانہ مستشرق ”گولڈزیہر“ نے اپنے زعم فاسد (کہ احادیث نبویہ کا مجموعہ ہجرت کی پہلی تین صدیوں کی کارکردگی کا نتیجہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث کی روایت صحیح نہیں ہے، اور شرعی احکام ابتداء سے اسلام میں عام مسلمانوں کے مابین

معروف نہیں تھے، اور بڑے بڑے ائمہ کرام شریعتِ اسلامیہ اور تاریخِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نا آشنا تھے) کو ثابت کرنے کے لیے بے انتہا کوشش کی اور اس سلسلے میں بعض غیر معتبر اور مختلف فیہ روایتوں کو اکٹھا کیا، ان جمع کردہ روایتوں میں سے ایک روایت وہ بھی ہے جس کو ”گولڈ زیہر“ نے ”دمیری“ کی کتاب ”اللیوان“ سے نقل کیا ہے کہ ”امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ علم نہیں تھا کہ معرکہ بدر اور احد میں سے کس کا وقوع پہلے ہوا ہے۔“

بلاشک و شبہہ تاریخ پر ادنیٰ نظر رکھنے والا شخص بھی اس طرح کی روایتوں کا علم رکھتا ہے اور بیان کرتا پھرتا ہے، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ان مشہور و معروف ائمہ کرام میں سے ہیں جنہوں نے اپنی فقہی کتابوں میں احکامِ حرب پر بہت ہی شرح و بسط کے ساتھ کلام کیا ہے، اسی طرح اگر آپ کے تلامذہ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ (جنہوں نے آپ کے علم کی نشر و اشاعت میں عظیم کردار ادا کیا ہے) کی کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو اسلامی جنگوں کے ہزاروں واقعات ملیں گے، اور عقلاً تو یہ بات ناممکن ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نا آشنا تھے جب کہ احکامِ حرب میں آپ کی فقہ کا دار و مدار سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہے۔ اس مقام پر مناسب ہے کہ ہم اس موضوع سے متعلق فقہ حنفی میں ان دو اہم کتابوں کا ذکر کرتے چلیں جو مذہبِ اسلام میں عالمی قوانین کے موضوع پر تالیف کی گئی کتابوں میں عظیم اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) ”کتاب الرد علی سیر الأوزاعی“: یہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تالیف ہے۔

(۲) ”کتاب السیر الکبیر“: یہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ہے۔ اور اس کی شرح امام سرخسی نے لکھی ہے۔ یہ کتاب بین الاقوامی تعلقات کے موضوع پر فقہ اسلامی کے اہم اور قدیم مراجع میں سے ہے، اس کتاب کی آخری طباعت عرب لیگ یونیورسٹی کی نگرانی میں ”جمعیۃ محمد بن حسن الشیبانی“

للحقوق الدولية“ کی فرمائش پر ہوتی ہے۔

ان دونوں کتابوں میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ آپ کے اس علم کے حامل ہیں جو علم کہ عہدِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عہدِ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں واقع اسلامی جنگوں کی تاریخ پر مطلع ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

”گولڈزیہر“ جیسے مستشرق پر ان دونوں کتابوں کی حقیقت مخفی نہیں ہوگی ضرور باخبر ہوگا، اگر وہ حق کا متلاشی ہوتا اور سیرتِ نبوی پر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی واقفیت اور عدم واقفیت پر صحیح معنوں میں مطلع ہونا چاہتا تو کتاب ”الحيوان“ میں مذکور ”دمیری“ کی روایت کا سہارا نہ لیتا یہ جانتے ہوتے کہ دمیری مؤرخ نہیں ہے اور اس کی کتاب فقہ و تاریخ کے موضوعات سے جداگانہ ہے، کیوں کہ دمیری تو ایسا شخص ہے جو اپنی کتاب میں ہر اس واقعہ کو لکھ ڈالتا ہے جو نادر اور دل چسپ ہوتا ہے، وہ تو ذرہ برابر توجہ نہیں دیتا ہے کہ واقعہ کی صحت کیا ہے۔ نیز یہ بات بھی کسی پر مخفی نہیں ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے معاصرین و مقلدین کے مابین کافی چپقلش تھی اور فکری طور پر آپس میں بہت کشیدگی تھی اور یہ دوری اور دشمنی راویوں اور مصنفین حکایات کے لیے زہرِ بلاہل کے مثل تھی، خاص طور پر ان حکایات کے باب میں جن میں سے بعض تو آپ کی قدر و منزلت کا پتہ دیتے ہیں اور بعض آپ کی شان و عزت کی قلت پر دلالت کرتے ہیں، اور اکثر موضوع و من گھڑت ہیں جو کہ علما اور مفکرین کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔

گویا کہ ”گولڈزیہر“ نے ان تمام چیزوں سے اعراض کی جو سیرتِ امام اعظم رضی اللہ عنہ پر علمی اسلوب میں تحریر کی گئی ہیں اور اپنے دعوے (کہ احادیثِ نبویہ کو مسلمانوں نے پہلی تین صدیوں میں تیار کیا ہے) کو مضبوط کرنے کے لیے ایسی جھوٹی روایت پر اعتماد کیا کہ اگر ادنیٰ طالب علم بھی سن لے تو ہنستے ہنستے لوٹ پڑے گا۔

(۲) دوسری مثال بھی مستشرق ”گولڈزیہر“ ہی سے متعلق ہے، کتب جرح و تعدیل اور کتب

تواریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت امام محمد بن مسلم بن شہاب الدین زہری رضی اللہ عنہ (۵۰-۱۲۲ھ) ایک سچے، امین، دین دار، زاہد اور متقی شخص تھے، لیکن ”گولڈ زیہر“ نے ان سارے حقائق سے روگردانی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کر دیا کہ امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اموی خلفا کی شان میں حدیثیں گھڑتے تھے اور حدیث ”لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد“ (۱) کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ آپ نے عبد الملک بن مروان کے لیے وضع کیا ہے اور بہ طور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ یہ حدیث امام زہری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ہے اور آپ رضی اللہ عنہ عبد الملک بن مروان کے معاصر تھے۔ میں نے اس قضیہ کو اپنی کتاب ”السنة و مکانها فی التشریح الإسلامی“ میں تفصیلی طور پر لکھا ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں ”گولڈ زیہر“ کے باطل دعوؤں کی دھجیاں اڑادی ہیں۔

(۳) مستشرقین عرب فاتحین کو عجمی مسلمانوں سے بلند رتبہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی شان و عزت کو گھٹا کر پیش کرتے ہیں۔ اس بارے میں مستشرق ”بروکلمان“ اپنی کتاب ”تاریخ الشعوب الإسلامیة“ میں تحریر کرتا ہے:

”وإذا كان العرب يؤلفون طبقة الحاکمین، فقد كان الأعاجم من الجهة الثانية هم الرعية أي القطيع! وجمعها رعایا کہا يدعوهم تشبیه ساهی قدیم كان مألوفاً حتى عند الآشوریین۔“

”جب اہل عرب حاکموں کو طبقات میں تقسیم کر رہے تھے تو دوسری طرف عجمی حضرات ہی رعایا یعنی ریوڑ تھے۔ رعیۃ کی جمع رعایا ہے جیسا کہ عرب عجمیوں کو پکارتے ہیں۔ یہ قدیم ساهی تشبیه ہے جس کا استعمال آشوریوں کے دور میں بھی تھا۔“

آپ ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ اس مستشرق نے کس طرح ان تمام تاریخی حقائق سے چشم پوشی کی

صحیح بخاری، جلد ۱، ص: ۲۲۲، کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة و المدینة، باب فضل الصلاة (۱)، حدیث نمبر: ۱۱۹۸، مطبوعہ: جمعیۃ المکنتز الاسلامی، قاہرہ، مصر، بن اشاعت: ۱۳۲۱ھ۔ ۲۰۰۰م

ہے جو کہ اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ عرب فاتحین ہمیشہ عادلانہ رویہ اختیار کرتے تھے اور تمام افراد کے ساتھ عربی اور غیر عربی میں بلا تفریق و امتیاز کے یکساں معاملہ کرتے تھے۔ لیکن اس مستشرق نے لفظ "رعیۃ" سے لغوی معنی اخذ کر کے ان کے ساتھ جوڑ دیا اور اس سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ مسلمان عجمیوں کو اسی نظر سے دیکھتے تھے جیسے بکری کے ریوڑ کو دیکھا جاتا ہے۔ لیکن جب ہم عربی لغات میں "رعی" کے مادے پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ معنی نہیں جو کہ "بروکلماں" نے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ آئیے دیکھیں! "القاموس المحیط" میں ہے کہ راعی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو اپنی قوم کے معاملہ کا ذمہ دار ہوتا ہے اور قوم رعیت کی منزل میں ہوتی ہے، اور "راعیتہ" کا معنی ہے: "میں نے اس کا خیال کیا بہ نظر احسان" اور "راعیت امرہ" کا معنی ہے: "میں نے اس کی حفاظت کی جیسے کہ اس کی نگہ بانی کی۔"

اب اس لغوی تشریح کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جا رہی ہے کہ لغت میں "راعی" کا اطلاق بکری کے چرواہے پر بھی ہوتا ہے اور قوم کے سردار پر بھی، اسی طرح "رعیۃ" کا اطلاق ریوڑ پر بھی ہوتا ہے اور قوم پر بھی، اور "رعیۃ" کا معنی حفاظت اور احسان ہے۔ اسلام نے جب بھی قوم کے لیے لفظ "رعیۃ" کا استعمال کیا ہے تو اسے کبھی بھی عجمیوں کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے بلکہ اسے مطلقاً پوری قوم کے لیے استعمال کیا ہے تو پھر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے کہ اس لفظ کا استعمال عجمیوں کو جانوروں کی ریوڑ سے تشبیہ دینے کے لیے کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مشہور و معروف حدیثیں کثرت سے وارد ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت کردہ صحیح حدیث سے بھی یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:

"ألا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ فالإمام الذی علی الناس راع و هو مسئول عن رعیتہ و الرجل راع علی أهل بیتہ و هو مسئول عن رعیتہ، و البرأۃ راعیۃ علی أهل

بيت زوجها وولده و هي مسئولة عنهم، و عبد الرجل راع
على مال سيده و هو مسئول عنه: ألا فكلكم راع و كلكم
مسئول عن رعيته۔“ (۱)

”سنو! تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر حاکم اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے،
چنانچہ وہ حاکم جو لوگوں پر متعین ہے وہ ان کا نگہبان ہے اور اپنی رعایا کا ذمہ
دار ہے مرد اپنے اہل و عیال کا نگہبان ہے اور وہ ان کا ذمہ دار ہے۔ عورت
اپنے شوہر کے اموال و اولاد کی نگہبان ہے اور وہ ان کی ذمہ دار ہے۔ اور غلام
اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اور وہ اس کا ذمہ دار ہے، اے لوگو! سنو! اسی
طرح تم میں سے ہر ایک فرد نگہبان ہے اور اپنی ذمہ داریوں کا جواب دہ ہے۔“

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”فتح الباری“ کی تیرھویں جلد کے صفحہ ۴۵۸ پر اسی
حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”و الراعی هو المحافظ المؤمن الملتزم صلاح ما أوتمن علی
حفظه فهو مطلوب بالعدل فيه والقيام بمصالحه۔“ (۲)
”اور لفظ راعی کا معنی نگہبان امانت دار اور اپنی زیر امانت اشیاء کی حفاظت کے
ذمہ دار ہیں، اور اسی وجہ سے اس کی ذمہ داریوں میں انصاف پسندی اور خیر
خواہی کا معاملہ کرنا بھی داخل ہے۔“

ایک دوسری حدیث بھی ملاحظہ فرماتے چلیں کہ جس میں لفظ ”رعیۃ“ کا استعمال تمام
مسلمانوں پر بہ شمول عرب و عجم آیا ہے اور جس کو امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے۔
چنانچہ ارشاد ہے:

۱ صحیح بخاری، جلد: ۳، ص: ۱۳۳۳، کتاب الاحکام، باب من استرعى رعية (۸)، حدیث
نمبر: ۷۲۳۹

۲ فتح الباری، علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، جلد: ۱۶، ص: ۴۵۸، کتاب الاحکام، باب (۱)، مطبوعہ: دار ابی
حیان، قاہرہ، مصر، طباعت اول: ۱۳۱۶ھ۔ ۱۹۹۶م

”ما من وال یلی رعیۃ من المسلمین فیہوت و هو غاش لہم

إلا حرم اللہ علیہ الجنة۔“ (۱)

”جو بھی حاکم مسلم رعایا کی حاکمیت کر رہا ہو اور ان کی حق تلفی کرتے ہوئے اس کی

موت آجائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔“

اب ذرا غور فرمائیں کہ ”بروکلمان“ نے ان سارے حقائق سے کس طرح چشم پوشی کی ہے

اور اپنی علمی امانت کے لیے اس بے بنیاد اور باطل دعویٰ (کہ عرب مسلمانوں نے عجمی

مسلمانوں کو ریوڑ کی سی نگاہ سے دیکھا ہے اور عربوں نے صرف انہیں پر لفظ ”رعیۃ“ کا

استعمال کیا ہے) کو کیسے روارکھا ہے جب کہ ”بروکلمان“ کے پاس اس دعویٰ کی صرف اس

کے علاوہ کوئی سند اور اصل نہیں ہے کہ لفظ ”رعیۃ“ کا استعمال بکری کے لیے بھی ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارتوں سے لفظ ”رعیۃ“ کا لغوی معنی بہ خوبی واضح ہو چکا ہے، لہذا اب لفظ

”رعیۃ“ کو عجمیوں کے ساتھ خاص سمجھنا ”بروکلمان“ کی اپنی خواہشات کی تکمیل کے سوا کچھ

نہیں ہے، کیوں کہ نہ تو اس کی کوئی اصل ہے اور نہ ہی کوئی ایسا اشارہ ملتا ہے جس سے ذہن

اس کی طرف ملتفت ہو۔

(۲) چوتھی مثال جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مستشرق ”مایوز“ نے یہ دعویٰ کیا ہے (جیسا کہ اس

دعویٰ کو مستشرق ڈی۔ ایس۔ مرگولیوٹھ ”D.S. Margoliouth“ سے نقل کیا

ہے) کہ عرب کے بد و فصاحت و بلاغت کی تعلیم کا بہت اہتمام کرتے تھے اس لیے

کوئی بعید نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عربی زبان میں کوشش کی ہو

اور فصاحت و بلاغت میں آپ کو غیر معمولی مہارت ہو گئی ہو۔

مستشرق کے اس قول سے دو باتیں منکشف ہوتی ہیں:

ایک تو یہ کہ مستشرقین کے نزدیک کسی بھی مسئلہ کی تحقیق کا پیمانہ ان کے اپنے خیالی

پیداوار پر منحصر ہوتا ہے اگرچہ وہ حقیقت واقعہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اہل عرب کا حال تو یہ تھا

صحیح بخاری، جلد: ۳، ص: ۱۲۲۳، کتاب الاحکام، باب من استرعى رعیۃ (۸)، حدیث

۷۲۳۹

کہ وہ فصاحت و بلاغت کی تعلیم ہی نہیں حاصل کرتے تھے، اور نہ ہی ان کے پاس کوئی ایسے مدارس اور اساتذہ تھے جو اس کے قواعد و ضوابط وضع کرتے اور نہ ہی قبل بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت و بلاغت کی تعلیم و تعلم لوگوں میں معروف ہوئی۔ ہمارے پاس تو کوئی ایک نص بھی نہیں ہے جو اس دعویٰ کو ثابت کر سکے، البتہ اس کا ثبوت ضرور ملتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بعثت اور قبل نزول قرآن نظم و نثر کی کوئی بات منقول نہیں ہوئی۔

دوسری بات یہ کہ مستشرقین کے نزدیک بحث و تنقید کے بنیادی اصولوں میں سے ایک تیسری اصل یہ بھی ہے کہ وہ مستشرقین جن اسباب و علل اور حوادث و واقعات کی تحقیق کرتے ہیں ان میں افراط و غلو سے پر ایسی نت نئی باتیں پیش کرتے ہیں جن کی توہم اور تعصب کے سوا کوئی حقیقت اور اصل نہیں ہوتی ہے۔ اور ستم بالاے ستم یہ کہ وہ مشرق، عرب اور مسلمانوں کے متعلق مشرق و عرب کی عادات و تقالید اور رسم و رواج کے واقعات کو اپنے مغربی خیالات و نظریات کی روشنی میں دیکھتے ہیں، وہ یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے ہیں کہ ہر ایک ماحول کا اپنا اپنا طرز زندگی، ذوق اور پیمانہ ہوتا ہے اور ہر قوم کے اپنے اپنے رسم و رواج ہوتے ہیں۔

فرانسیسی مسلم مستشرق "ناصر الدین دینیہ" نے مستشرقین کے انداز و اسلوب اور علمی پیمانے پر بہت اچھی بات کہی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ مستشرقین جب بھی کسی چیز پر حکم لگاتے ہیں یا کسی چیز کی تحقیق میں کوئی رائے قائم کرتے ہیں تو سارے مستشرقین کے آراء و افکار میں اس قدر باہم تضاد اور تناقض پایا جاتا ہے کہ بحث و تحقیق کی دنیا میں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے یورپین خیالات و نظریات کے تناظر میں سیرتِ محمدیہ علیہ التحیۃ و التناہ اور ظہورِ اسلام کی تاریخ کا جائزہ لینے کی کوشش کی تو ضلالت و گم راہی کے دل میں اس طرح پھنسے کہ آج تک نہ نکل سکے۔ کیوں کہ مشرق و مغرب کی عادات و تقالید، خیالات و نظریات، تہذیب و ثقافت اور معاملات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یورپین طرزِ تفکر ہی ہے جو اسلام اور مشرق کے انبیاء کرام علیہم

السلام کی تاریخ کے بارے میں انہیں کسی صحیح نتیجے پر نہ پہنچا سکا۔

مسلم مستشرق ”ناصر الدین دینیہ“ مزید یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں جن آراء و نظریات پر جمہور مسلمانوں کا اتفاق ہے ان کے خاتمے کے لیے مستشرقین نے یورپین طرز تحقیق پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر تنقید کرنے کی کوشش کی اور تقریباً ایک صدی اپنے دعووں کی ترویج و تدریس میں صرف کردی، ایسی صورت میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تحقیق و تدریس میں اتنا طویل عرصہ صرف کرنے کے بعد سیرت نبویہ کے متعلق مشہور روایات اور متفقہ آراء و افکار کو منہدم کرنے پر قادر ہو جاتے، لیکن ان تمام تر کوششوں کے باوجود کیا وہ کچھ کر سکے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

بل کہ ہوا یہ کہ جب ہم نے فرانس، انگلینڈ، جرمنی، پیٹیم اور ہالینڈ وغیرہ کے مستشرقین کی پیش کردہ جدید آراء و افکار کا باریک بینی سے مطالعہ کیا تو جنٹ و جنون اور من گھڑت قصوں کے علاوہ کچھ نہ پایا۔ آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ ان کی باتوں اور آراء میں کس طرح تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک مستشرق کوئی بات ثابت کر رہا ہے تو دوسرا اس کی تردید کرتا ہوا نظر آتا ہے اور اگر دوسرا کوئی بات ثابت کر رہا ہے تو تیسرا اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے اور یہی حال سارے مستشرقین کا ہے۔ مسلم مستشرق ”ناصر الدین دینیہ“ نے اپنے کلام کے اختتام پر ان تناقضات کی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

”وإن أردنا استقصاء هذه التناقضات التي نجدها بين تمحيصات هو المحصين بزعمهم يطول بنا الأمر، ولا نقدر أن نعرف أية حقيقة، ولا يبقى أمامنا إلا أن نرجع إلى السير النبوية التي كتبها العرب، فأما المؤلفون الذين زعموا أنهم يريدون ترجمة محمد بصورة علمية شديدة التدقيق فلم يتفقوا منها ولو على نقطة مهبة و برغم جميع ما نقبوه و نقروه و حاولوا كشفه بزعمهم، فلم يصلوا ولن

يصلوا إلا إلى تمثيل أشخاص في تلك السيرة ليسوا أعرق في الحقيقة الواقعية من أبطال أقاصيص فالترسكوت و أسكندر توماس، فهؤلاء القصاص تخيلوا أشخاصاً من أبناء جنسهم يقدرون أن يفهوهم، و لم يلحظوا إلا اختلاف الأدوار بينهم، أما أولئك المستشرقون فنسوا أنه كان عليهم قبل كل شيء أن يسدوا الهوة السحيقة التي تفصل بين عقليتهم الغربية والأشخاص الشرقيين الذين يترجمونهم، و أنهم بدون هذه الملاحظة جديرون بأن يقعوا في الوهم في كل نقطة. (1)

”اور اگر ہم ان بہ زعم خویش محققین کی تحقیقات میں واقع تناقضات کا تفصیلی جائزہ لینا چاہیں تو بات بہت طویل ہو جائے گی اور ہم کسی حقیقت تک نہیں پہنچ پائیں گے، اس لیے ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں عرب مؤرخین کا سہارا لیں۔ جہاں تک ان نام نہاد سیرت نگاروں کی بات ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے باب میں نہایت ہی دقیق اور علمی اسلوب میں تحقیق کے دعوے دار ہیں تو ان کا حال تو یہ ہے کہ اتنی تحقیق و جستجو اور جاں فشانی کے باوجود آج تک کسی ایک مشہور و معروف بات پر بھی آپس میں متفق نہ ہو سکے۔ صرف اور صرف ان سے اتنا ہو سکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو اپنے ملک کی ان نمایاں شخصیتوں کے تناظر میں دیکھا جو درحقیقت فالترسکوت اور اسکندر ٹوماس کے ناولوں کے ممثلین سے زیادہ حیثیت کی حامل نہیں ہیں۔ چنانچہ ان

یہ عبارت ”ناصر الدین دینیہ“ کی کتاب ”إنك في واد وأنا لفي واد“ کی ہے جس کو آپ نے ہنری لیمنز ”H. Lammens“ کی رد میں تالیف کیا ہے اور اس کتاب میں یہ عبارت امیر شکیب ارسلان کی کتاب ”حاضر العالم الإسلامي“ کے مقدمہ سے منقول ہے۔

ناول نگاروں نے اپنے کچھ ہم وطن لوگوں کو تصور میں رکھا جنہیں وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور اس کے تناظر میں اختلافِ زمانہ کے سوا دوسرے تمام فروق کو نظر انداز کر دیا، جب کہ ان مستشرقین کا اولین فریضہ یہ تھا کہ سب سے پہلے اس فاصلے کو مٹاتے جو ان کے زیر تحقیق مشرقی شخصیات اور ان کی مغربی ذہنیت کے درمیان ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس بات کو پیش نظر رکھے بغیر ہر قدم پر وہ وہم کے جال میں پھنسیں گے۔“



یورپ میں مستشرقین سے آمناسا مننا

میں مستشرقین کے بارے میں سفر یورپ سے قبل اپنی کتاب "السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي" میں کچھ باتیں تحریر کر چکا تھا، لیکن جب میں نے ۱۹۵۶ء میں یورپ کا سفر کیا، یورپ کی یونیورسٹیز کا دورہ کیا، یورپ کے محققین اور مفکرین سے باتیں کی اور مستشرقین سے بحثیں اور جھڑپیں ہوئیں تو مجھے مستشرقین کے متعلق اپنی تحریر کردہ باتوں پر یقین کامل ہو گیا اور ان کی طرف سے اسلامی تراث پر تہذیبی، ثقافتی، تشریحی اور قانونی ہر قسم کے خطرات کا جو مجھے شبہہ تھا وہ صحیح ثابت ہوا اور میرا دل مطمئن ہو گیا۔ اور مجھے اس بات کا بھی علم ہوا کہ ان کے ذہن و دماغ میں اسلام، اہل عرب اور مسلمانوں کے خلاف تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

لندن: مستشرقین میں سب سے پہلے میری ملاقات پروفیسر "انڈرسون" سے ہوئی جو لندن یونیورسٹی "London University" میں "معهد الدراسات الشرقيه" میں "قسم قوانین الأحوال الشخصیہ البعبول بہا فی العالم الإسلامی" کا چیرمین تھا اور کیمبرج یونیورسٹی سے "کلیۃ اللاہوت" کا فارغ تھا، اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان مصر میں مقیم برطانوی فوج کے اراکین میں سے تھا۔ یہ ساری باتیں خود اسی کی زبانی مجھے معلوم ہوئیں۔

اس مشرق نے قاہرہ "Cairo" میں واقع امریکن یونیورسٹی "American University" میں عربی زبان سیکھی جہاں علمائے ازہر عربی زبان و ادب پر لکچر دیا کرتے تھے، یہ لکچر ہفتہ میں صرف ایک بار ہوتا تھا اور یہ مشرق ایک سال تک ان لکچروں

سے سیکھتا رہا اور مصر کی عامیہ زبان (ا) اپنی فوجی ملازمت کے دوران مصری عوام سے گھل مل کر سیکھا۔

احمد امین مرحوم، ڈاکٹر طہ حسین اور شیخ احمد ابراہیم وغیرہ کے عام لکچرز اور تقریروں کو سن کر اس نے اسلامک اسٹڈیز "Islamic Studies" میں تخصص کیا، پھر جنگ کے بعد فوجی ملازمت سے ریٹائر ہو کر لندن یونیورسٹی "London University" میں "قسم قوانین الأحوال الشخصية" کا چیرمین بن گیا۔

اسلام کے خلاف "انڈرسون" کے تعصب کی مثالیں نہیں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں بہت ساری باتوں کا علم اس وقت ہوا جب لندن "London" میں اسلامک کلچر سنٹر "Islamic Culture Center" کے ڈائریکٹر "حمود غرابہ" نے بتایا۔ میں یہاں صرف انہیں باتوں کو ذکر کروں گا جن کو پروفیسر "انڈرسون" نے بہ راہ راست مجھ سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر موصوف نے مجھ سے کہا کہ لندن یونیورسٹی میں قانون اسلامی پر "خطة البحث" پیش کرنے والے ازہر یونیورسٹی "Al-Azher University" کے فارغین میں سے ایک کو میں نے صرف اس وجہ سے فیل کر دیا تھا کہ اس نے مذہب اسلام میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں ایک بحث کا منصوبہ پیش کیا تھا اور یہ ثابت کیا تھا کہ مذہب اسلام نے عورتوں کو ان کا مکمل حق دیا ہے۔ یہ سن کر میں حیرت و استعجاب میں ڈوب گیا اور پھر پروفیسر "انڈرسون" کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے اس طالب علم کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے صرف اس سبب سے کیوں محروم رکھا؟ جب کہ آپ لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ اپنی یونیورسٹیوں میں فکری آزادی کا ڈھنڈھورا پیٹتے پھرتے

۱ دراصل مصری عامیہ زبان فصیح عربی کی اس تبدیل شدہ زبان کا نام ہے جس کو مصری عوام آپس میں عام تعامل کے وقت استعمال کرتی ہے، جس میں سرعت کلام کی وجہ سے کچھ الفاظ مخفف اور کچھ محذوف ہوتے ہیں اور کچھ حروف ایسے ہوتے ہیں جنہیں وہ دوسرے حروف سے بدل کر بولتے ہیں مثلاً "جاء" کو "گاہ" اور "قال" کو "آل" بولتے ہیں۔ اس طرح اور بھی حروف ہیں جنہیں وہ بدلتے ہیں، نیز یہ کہ اس زبان میں تو اعراب کا ظہور ہوتا ہے اور نہ ہی نحوی و صرفی قواعد کی رعایت ہوتی ہے۔

ہو، تو پروفیسر موصوف نے کہا کہ دراصل بات یہ تھی کہ وہ کہہ رہا تھا کہ اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے اور اسلام نے عورت کے بارے میں ایسا ایسا کہا ہے۔ تو کیا وہ اسلام کا کوئی نمائندہ تھا یا وہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی تھا جو اس طرح کا کلام کر رہا تھا اور اس طرح اسلام کی ترجمانی کر رہا تھا جب کہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں جو اس کے آرائے ان پر معتقدین فقہائے اسلام کی کوئی تصریح نہیں تھی، وہ متکبر اور خود پسند تھا جو اسلام کو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی علیہما الرحمہ سے زیادہ سمجھنے کا دعویٰ کر رہا تھا۔

یہ رہی اس مستشرق کی بات جو ابھی تک بہ قید حیات ہے، لیکن مجھے اس بات کی خبر نہیں کہ وہ لندن یونیورسٹی میں اب بھی برسر ملازمت ہے یا ریٹائر ہو چکا ہے۔

اسکاٹ لینڈ: جب مجھے اسکاٹ لینڈ کی اڈنبرا یونیورسٹی *Adenbra University* میں جانے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہوا کہ جو مستشرق اس یونیورسٹی کے اسلامک اسٹڈیز *Islamic Studies* کا ڈین تھا وہ پادری تھا اور سول ڈریس میں ملبوس رہتا تھا وہ اپنے گھر کے دروازے پر اپنا نام آویزاں کیے تھا اور نام کے ساتھ اپنا دینی لقب تحریر کیے ہوئے تھا۔

اسکاٹ لینڈ ہی میں جب گلاسگو یونیورسٹی *glasco University* میں جانے کا موقع ملا تو اس یونیورسٹی کے عربک اسٹڈیز *Arabic Studies* کے ڈین کے بارے میں یہ پتہ چلا کہ وہ بھی پادری ہے، اور تقریباً بیس سال تک "قدس" میں عیسائی تبلیغی مشن کا صدر تھا، اس بیس سال کے عرصہ میں اس کو عربی زبان پر اس قدر قدرت ہو گئی کہ وہ اہل عرب کی طرح عربی بولنے لگا تھا۔ جب اس سفر میں اس سے میری بات ہوئی تو اس نے بہ ذاتِ خود ان ساری باتوں کا اعتراف کیا، جب کہ اس سے قبل بھی میری ملاقات اس سے "حمدون۔ لبنان" میں ۱۹۵۴ء میں منعقد اسلامی اور مسیحی کانفرنس میں ہو چکی تھی۔

آکسفورڈ یونیورسٹی *Oxford University*: جب میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کا دورہ کیا تو یہاں کے ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز *Department of*

"Islamic and Arabic Studies" کے ہیڈ کے بارے میں یہ بات سامنے آئی کہ وہ یہودی ہے اور عربی زبان بہت آہستہ اور بہ مشکل بول پاتا ہے۔ یہ یہودی دوسری عالمی جنگ کے دوران "لیبیا" میں برطانوی خبر رساں ایجنسی کے ادارہ میں ملازم تھا اور وہیں اس نے عربی عامیہ زبان کی تعلیم حاصل کی، پھر وہ "آکسفورڈ یونیورسٹی" کے اس شعبہ کی صدارت کے لیے اپنے وطن انگلینڈ واپس آ گیا۔ مجھے اس کے طریقہ درس کو دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔ وہ استشراق کے طلباء کے سامنے قرآنی آیات کی تفسیر "زمنشری" کی کتاب "کشاف" کے حوالے سے کر رہا تھا، حالانکہ وہ عام اخبارات کی معمولی سی عبارت کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھ پارہا تھا۔ احادیث نبویہ کا درس بخاری شریف اور مسلم شریف سے دے رہا تھا، اور فقہ کا درس دینے کے لیے جن ابواب کا اس نے انتخاب کیا تھا وہ احناف اور حنابلہ کی بنیادی کتابوں سے ماخوذ تھے۔ جب میں نے اس یہودی مستشرق سے ان تحقیقات کے مراجع کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے مجھے بتایا کہ یہ سب گولڈ زیہر "Gold zihar"، مرگولیوٹھ "Margoliouth" اور جوزف شاخت "J. Schacht" وغیرہ مستشرقین کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی گئی بے بنیاد اور بے سرو پاکی باتوں کے لیے ان مستشرقین کا نام ہی کافی ہے۔

کیمبرج یونیورسٹی "Cambridge University" میں بھی مجھے جانے کا موقع ملا، جب میں وہاں پہنچا تو وہاں "Department of Arabic and Islamic Studies" کا ہیڈ مشہور مستشرق آربری "Arberry" تھا جو صرف عربی زبان کا متخصص تھا۔ اس کا نام گذشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

جب اس سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے دوران گفت گو مجھ سے یہ کہا کہ ہم سب مستشرق ہیں، اسلام کے متعلق تحقیقات میں اکثر جگہ غلطیاں کر جاتے ہیں، اس لیے ہمارے لیے بہتر اور مناسب یہ تھا کہ اس میدان میں قدم نہ ڈالتے اور تم عرب مسلمان ہو، تم اسلام کے

بارے میں ہم سے اچھی تحقیقات پیش کر سکتے ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اس کے دل کی آواز رہی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے میری دل جوئی کے لیے ایسا کہہ دیا ہو۔

الکلیئڈ: جب میرا دورہ مانچسٹر (انگلینڈ) کا ہوا تو وہاں میری ملاقات پروفیسر "رولسون" سے ہوئی۔ وہ سنن ابی داؤد کا کسی قلمی نسخہ سے تقابل کر رہے تھے۔ تاریخ حدیث میں ان کی کئی ایک تصانیف ہیں جن میں انھوں نے غالی اور متعصب مستشرقین کے آراء اور نظریات سے اتفاق کیا ہے۔ وقت ملاقات میں نے چاہا کہ ایک بات ضرور بیان کرتا چلوں، چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ سابقہ استشرقی تحقیقات میں بہت زیادہ حقیقت سے انحراف کیا گیا ہے، اور بے انتہا زیادتیاں کی گئی ہیں، اکثر جگہوں پر حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، اور باتوں باتوں میں میں نے "Gold zihar" کے افکار و نظریات کی بات چھیڑ دی اور جب اس کی تاریخی اور علمی غلطیوں کا پردہ فاش کیا تو پروفیسر موصوف نے میری گفتگو کے بعد جو جواب دیا وہ قابل ملاحظہ ہے:

"لا شك أن المستشرقين في هذا العصر أكثر إطلاعاً على المصادر الإسلامية من جولدتسيهر نظرًا لمطبع ونشر و عرف من مؤلفات إسلامية كانت غير معلومة في عصر جولدتسيهر فقلت له: أرجو أن تكون أبحاثكم المستشرقين في هذا العصر أقرب إلى الحق والإنصاف من جولدتسيهر و مرجليوت و أمثالها فقال: أرجو ذلك."

"سچ بات یہ ہے کہ آج کے مستشرقین گولڈ زیہر 'Goldzihar' سے کہیں زیادہ اسلام کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں، کیوں کہ اب بہت ساری اسلامی تصنیفات کی نشر و اشاعت ہو چکی ہے اور وہ شہرت پا چکی ہیں، جب کہ گولڈ زیہر کے زمانے میں ناپید تھیں، تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے امید ہے کہ اس دور میں تم مستشرقین کی موجودہ تحقیقات 'گولڈ زیہر' اور 'مرگولیوتھ' وغیرہما کے بہ نسبت

حق و انصاف سے زیادہ قریب ہونا چاہیے، تو اس نے کہا: میں بھی اسی بات کی توقع رکھتا ہوں۔“

ہالینڈ: جب ہالینڈ میں لیڈن یونیورسٹی "Leedon University" میں میرا جانا ہوا تو وہاں جرمن یہودی مستشرق یوسف شاخت "J. Schacht" سے میری ملاقات ہوئی (یہ مستشرق دورِ حاضر میں مستشرق "گولڈزیہر" کے اُن اعتراضات کا حامل ہے جو اس نے اسلام کے حقائق و معارف پر اپنی مکاریوں اور فریب کاریوں سے چپاں کیے تھے اور اسلامی حقائق کو مسخ کرنے کی ناپاک کوششیں کی تھی) تو میں نے اس سے "گولڈزیہر" کی غلطیوں پر بہت طویل بحث کی اور میں نے کہا کہ "گولڈزیہر" نے ہماری کتابوں کی عبارتوں کی نقل میں جو تحریف و تغیر کی ہے وہ دانستہ طور پر بالقصد کی ہے، تو شروع میں اس نے میری اس بات کی تردید کر دی، لیکن جب میں نے تاریخ حدیث کے متعلق "گولڈزیہر" کی تحریر کردہ عبارت بہ طور مثال پیش کی تو وہ بہت متحیر ہوا اور "گولڈزیہر" کی کتاب کو دیکھنے لگا، اور ہم لوگ اس کے ایک خاص کتب خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے، جب اس نے دیکھ لیا اور میرے کلام پر اس کو یقین ہو گیا تو اس نے کہا کہ تم حق پر ہو اور "گولڈزیہر" نے یہاں غلطی کی ہے، تو میں نے اس سے کہا کہ کیا یہ صرف ایک نادانستہ غلطی ہے؟ اتنا کہنا تھا کہ وہ پھر گیا اور سخت لہجے میں مجھ سے کہا کہ تم لوگ "گولڈزیہر" سے اتنا بدظن کیوں ہو! پھر میں عبد الملک بن مروان کے متعلق امام زہری کے موقف پر "گولڈزیہر" نے جو تجزیہ کیا ہے اس پر بحث کرنے لگا اور اس کے سامنے ایسی تاریخی حقائق کی نقاب کشائی کی کہ جو "گولڈزیہر" کے باطل دعوؤں کا پردہ چاک کر رہے تھے، جب اس بحث میں اس کو جواب کر دیا تو اس نے کہا: یہاں بھی "گولڈزیہر" نے غلطی کی ہے۔ کیا علما غلطی نہیں کرتے ہیں؟ پھر میں نے اس سے یہ کہا کہ "گولڈزیہر" تو ایسے استشراتی مدرسہ کا بانی تھا جو اسلامی قوانین کے باب میں صرف اور صرف تاریخی حقائق کی بنیاد پر ہی اپنا نظریہ قائم کرتا ہے، تو پھر اس نے امام زہری پر کلام کرتے وقت اپنے وضع کردہ اصولوں کو کیوں نہیں مد نظر رکھا؟ اور اس کو کیسے یہ جرات

ہوگئی کہ امام زہری پر ابن زبیر کے خلاف عبدالملک بن مروان کی رضا کی خاطر اور مسجد اقصیٰ کی فضیلت پر وضع حدیث کا الزام لگائے، جب کہ تاریخی حقائق یہ ثابت کرتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان سے امام زہری کی ملاقات ابن زبیر کے قتل کے کئی سال بعد ہوئی ہے۔ یہ بات سنتے ہی اس (شاخت) کے چہرہ سے ہوائیاں اڑنے لگیں اور کفِ افسوس ملنے لگا، اس کے چہرہ پر غصہ و اضطراب کے عجیب ملے جلے اثرات پاتے جا رہے تھے۔ پھر میں نے اس سے یہ کہتے ہوئے اپنی گفتگو کو ختم کر دیا کہ گذشتہ صدیوں میں اس طرح کے بہت سارے واقعات ہیں جو معروف ہو چکے ہیں، اور تم انہیں خطا سے تعبیر کرتے ہو، اور ہر مستشرق ان غلطیوں کو علمی حقائق سمجھ کر نقل کرتا ہے اور ہم لوگ ان تصانیف کو اس وقت پڑھنے کو پاتے ہیں جب ان کے مصنفین اس دارِ فانی سے کوچ کر چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے اب میں یہ اُمید کرتا ہوں کہ تم اپنی غلطیوں پر ہماری گرفت کو غور سے سنو اور اپنی زندگی ہی میں اس کی تصحیح کر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی تمہاری موت کے بعد علمی حقائق کی فہرست میں آجائیں۔

نوٹ: یہ مستشرق قاہرہ یونیورسٹی (۱) "Cairo University" میں درس دیتا تھا، تاریخ تشریح اسلامی کے موضوع پر اس کی ایک تصنیف بھی ہے جو اس کے گرو اور امام "گولڈزیہر" کی طرح فریب کاریوں اور تحریفات سے پڑ ہے۔

سوڈن: آئیے اب آپ کو "سوڈن" لے چلتا ہوں، جب میں "سوڈن" پہنچا تو وہاں "ابلا یونیورسٹی" میں میری ملاقات "نیرج" نامی ایک معمر مستشرق سے ہوئی، میرے خیال میں اسی مستشرق کی زیر نگرانی "ابن خیاط" کی "الانتصار" نامی کتاب کی تحقیق کا کام ہوا ہے، اس کتاب کو کسی زمانے میں قاہرہ کے "لجنة التأليف والترجمة" نے شائع کیا تھا، اس معمر مستشرق سے میری بہت طویل گفتگو ہوئی، زیادہ تر گفتگو مذہب اسلام اور اسلامی تاریخ کے متعلق مستشرقین کی تحقیقات و تصنیفات پر ہوتی رہی، لیکن اس میں بھی میں نے موضوع بحث "گولڈزیہر" کو ہی بنایا اور اس کے سامنے "گولڈزیہر" کی غلطیوں، حقائق سے

قاہرہ یونیورسٹی کا قدیم نام فواد یونیورسٹی تھا، بعد میں اسے قاہرہ یونیورسٹی کا نام دیا گیا۔

روگردانی اور تحریفاتِ نصوص کے کچھ نمونے پیش کیے، تو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا:

”إن جولد تسيهر كان في القرن الماضي ذا شهرة علمية و مرجعا للمستشرقين، أما في هذا العصر بعد انتشار الكتب المطبوعة في بلادكم عن العلوم الإسلامية فلم يعد جولد تسيهر مرجعا كما كان في القرن الماضي، لقد مضى عهد جولد تسيهر في رأينا.“

”گولڈ زیہر یقیناً گذشتہ صدی میں زبردست علمی شہرت کا حامل تھا اور مستشرقین کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن آپ کے ممالک میں علوم اسلامیہ سے متعلق شائع شدہ کتابوں کی شہرت کے بعد اب گذشتہ صدی کی طرح ’گولڈ زیہر‘ کوئی قابل حجت محقق نہ رہا، ہمارے خیال میں اس کے دور کا خاتمہ ہو چکا ہے۔“

مجھے اس سفر میں ذکر کردہ یونیورسٹیوں کے علاوہ ”Belgium“، ڈنمارک ”Denmark“، ناروے ”Norway“، فن لینڈ ”Finland“، جرمنی ”Germany“، سوئزرلینڈ ”Switzerland“ اور فرانس ”France“ وغیرہ جیسے مشہور ملکوں کی یونیورسٹیز میں بھی جانے کا موقع ملا، اور ان یونیورسٹیز میں اس وقت جو مستشرقین تھے ان سے ملاقات بھی ہوئی۔

اس سفر کے دوران ہماری جن مستشرقین سے ملاقات ہوئی اور جن کے اقوال کو میں نے اپنی ڈائری میں قلم بند کیا ہے اور ابھی ابھی جن کا ذکر گذرا ان سب سے مجھے مندرجہ ذیل حقائق کا علم ہوا:

(۱) پہلی بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ کہ اکثر مستشرقین یا تو پادری ہوتے ہیں یا سامراجی ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں اور یا تو پھر یہودی ہوتے ہیں۔ اس عموم سے شاید ہی کوئی مستشرق مستثنیٰ ہو۔

(۲) دوسری بات مجھے یہ معلوم ہوئی کہ استشراق سامراجی ذہنیت کے حامل مغربی ممالک

میں کہیں زیادہ طاقت ور اور مضبوط ہے بہ نسبت ان مغربی ممالک کے جو سامراجیت سے دور ہیں مثلاً اسکندریہ، نیویا۔

(۳) تیسری بات جو سامنے آئی وہ یہ کہ غیر سامراجی ملکوں میں موجود مستشرقین ”گولڈ زیہر“ اور اس کے مثل تعصب میں معروف مستشرقین کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی بات یہ ظاہر ہوئی کہ عام طور پر استشراق کی نشرو اشاعت گرجا گھروں سے ہوتی ہے، اور سامراجی ملکوں میں استشراق کا کام کنیسہ اور وزارتِ خارجہ دونوں سے مل کر ساتھ ساتھ ہوتا ہے، جہاں استشراق کو ان کی ہر تائید اور حمایت حاصل رہتی ہے۔

(۵) پانچ ویں حقیقت یہ منکشف ہوئی کہ برطانیہ اور فرانس جیسے سامراجی ممالک ہمیشہ استشراق کو اس کے بنیادی اغراض و مقاصد کے ساتھ آگے بڑھانے کے درپے رہتے ہیں، کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ اسلام کو نیست و نابود کرنا اور مسلمانوں کی شہرت و عزت کو بگاڑ کر پیش کرنا استشراق کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔

مثال کے طور پر فرانس کے ”بلاشیر“ اور ”ماسینیون“ مستشرق کو لے لیں، یہ دونوں عصر حاضر میں فرانسیسی مستشرقین کے گرو گھنٹال مانے جاتے ہیں۔ فرانس کی وزارتِ خارجہ میں ملازمت کرتے ہیں اور یہ دونوں عرب اور مسلمانوں کے معاملات میں بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔

اور انگلینڈ میں تو ہم نے دیکھا ہے کہ لندن، آکسفورڈ، کیمبرج، گلاسکو اور اڈنبرہ وغیرہ کی یونیورسٹیز میں استشراق کا بہت اعلیٰ مقام ہے، اس کی نگرانی یہودیوں اور سامراجی ذہنیت کے انگریز مشنریز کے ذمہ ہے۔ ان کی ہمیشہ یہ دلی خواہش رہتی ہے کہ ”گولڈ زیہر“ ”مرگولیوتھ“ اور ”یوسف شاخت“ وغیرہ کی کتابیں استشراق کے مغربی طلباء کے لیے مراجع اور مصادر کی حیثیت سے رہیں، اور ان کے علاوہ جو عرب اور مسلم محققین ہیں وہ بھی انہیں مراجع کے پابند رہیں۔ وہ ہرگز یہ قبول نہیں کرتے ہیں کہ ڈاکٹریٹ وغیرہ کا مقالہ کسی ایسے موضوع پر ہو جو اسلام کی حقانیت کو آجا کر کرتا ہو اور مستشرقین کے مکر و فریب کو بے نقاب کرتا ہو۔ اس

سلسلے میں ایک بہت ہی روشن واقعہ تحریر کر رہا ہوں، تاکہ ان مستشرقین کی فریب کاریوں اور عیاریوں کا پردہ مزید چاک ہو جائے۔

ڈاکٹر امین مصری ازہر یونیورسٹی کے فیکلٹی آف تھیولوجی *Faculty of Theology in al-Azhar University* اور قاہرہ یونیورسٹی کے فیکلٹی آف

آرٹس اینڈ ٹریننگ اسکول *Faculty of Arts and Training School Cairo University* کے فارغ التحصیل ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کی جب مجھ سے گفتگو

ہوئی تو وہ انگلینڈ میں اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کی منظوری میں درپیش دشواریوں کا ذکر کرنے لگے، موصوف انگلینڈ کی کسی یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری لینا

چاہتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ چند سال میں نے انگلینڈ میں فلسفہ پڑھا اور وہاں سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی، مجھے وہاں کے نصابِ تعلیم خصوصاً اسلامی علوم کی تعلیم سے بہت کم واقفیت

تھی۔ جب میں نے مستشرقین خصوصاً "شاخ" کی کتابوں میں زیادتیاں، فریب کاریاں اور تحریفات دیکھیں تو میں نے تہیہ کر لیا کہ اب میرے مقالہ کا موضوع "نقد کتاب

شاخ فی تاریخ الفقہ الاسلامی" ہی رہے گا، چنانچہ میں نے اپنا منتخب کردہ موضوع "پروفیسر انڈرسون" کو پیش کیا تاکہ وہ اس موضوع کی موافقت کر دے اور ہماری

تھیسز "*Thesis*" کانگراں بن جائے، لیکن جب پروفیسر موصوف نے تھیسز کا موضوع "نقد کتاب شاخ فی تاریخ الفقہ الاسلامی" دیکھا تو منظوری دینے سے

انکار کر دیا، حالانکہ اس کی منظوری کے سلسلے میں یہ میری ناکام کوشش تھی، پس جب میں لندن یونیورسٹی سے ناامید ہو گیا، تو کیمبرج یونیورسٹی گیا، وہاں داخلہ لیا اور اسلامک اسٹڈیز

"*Islamic Studies*" کے دونوں کورسز میں نے اپنا مذکورہ بالا موضوع پیش کیا کہ یہ میرے مقالہ کا موضوع ہے، تو وہ دونوں اس پر خاموش رہے اور کوئی رضامندی نہیں ظاہر

کی۔ میں نے سمجھا کہ شاید وہ اخیر میں میرے موضوع کی موافقت کر دیں گے، لیکن انھوں نے مجھ سے صاف لفظوں میں کہا کہ اگر تم ڈاکٹریٹ میں کام یاب ہونا چاہتے ہو تو شاخ کی

کتابوں کی تنقید اپنے ذہن سے نکال دو، کیوں کہ یونیورسٹی تمہیں اس کی کبھی اجازت نہیں دے گی، اس لیے مجھے چار و ناچار اپنا موضوع بدلنا پڑا۔ پھر میں نے دوسرے موضوع "معايير نقد الحديث عند المحدثين" کا انتخاب کیا تو انہوں نے بلا توقف اس کی موافقت کر دی اور میں ڈاکٹریٹ میں کام یاب ہو گیا اور اب دمشق یونیورسٹی میں فیکلٹی آف اسلامک لا "Faculty of Islamic Law" کا پروفیسر ہوں۔

یہ رہے چند کلمات جن کو میں نے بہ ذاتِ خود مستشرقین بالخصوص "گولڈزیہر" اور اس کی کتابوں اور آرا میں پایا ہے۔ میں نے اپنی کتاب "السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي" میں اس بحث کو ایک مستقل فصل میں الگ بیان کیا ہے، اس فصل میں اس یہودی مستشرق "گولڈزیہر" کی ظلم و زیادتی، حقائق کا بگاڑنا، نصوص و عبارات کی تحریف، اپنے اغراض و مقاصد کے مطابق تاریخی حقائق میں تاویل، ایسے مصادر پر اعتماد جن کی علمی نقطہ نظر سے کوئی حیثیت نہیں ہے اور ان علمی مصادر کی تکذیب جو ہمارے ائمہ کرام اور محققین علما کے نزدیک معتبر ہیں، میں نے بالتفصیل بیان کیا ہے۔

عصر حاضر میں امریکا میں استشراق اسلام اور مسلم دشمنی میں بہت نمایاں کردار ادا کر رہا ہے، اور امریکن یونیورسٹیز میں اسلامیات کا شعبہ جن لوگوں کے تحت ہے وہ اسلام کے سب سے بدترین دشمن ہیں، جیسا کہ ذکر کردہ متعصب مستشرقین اور ان کی تصنیفات و آرا سے واضح ہو چکا ہے۔

نہایت ہی قابل افسوس بات ہے کہ اسلامی دنیا کے طلباء جو ان کے ملکوں میں انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ انگلش اور امریکن یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے پر مجبور ہوتے ہیں، اور جب داخل ہو جاتے ہیں تو اسلامی علوم کے طلباء اپنی تحقیق و مطالعہ کے لیے ان خطرناک اور زہر آلود مراجع کے علاوہ کوئی اور مرجع نہیں پاتے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ عربی زبان سے نابلد ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ عربی کتابوں سے استفادہ نہیں کر سکتے ہیں، اس لیے ان کے ذہن و دماغ میں یہ راسخ ہو جاتا ہے کہ یہ چال بازیاں اور سازشیں درحقیقت خود مسلم

علماء اور فقہاء کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

عربی یونیورسٹیز کے لیے یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ ان کے پاس ڈاکٹریٹ کی سند کے حصول کے لیے انگلش زبان میں کوئی شعبہ نہیں ہے۔ عربی یونیورسٹیوں کی انتظامیہ کو اس پر غور کر کے انگریزی زبان کا شعبہ ضرور قائم کرنا چاہیے۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ اگر یہ شعبہ قائم ہو جائے تو عالم اسلام کے طلباء مغرب کی یونیورسٹیز کو چھوڑ کر اپنی عربی یونیورسٹیز کا رخ کرنے لگیں گے، اس طرح ہم ان طلباء کو متعصب اور سامراجی ذہنیت کے حامل مستشرقین کی فریب کاریوں اور عیاریوں سے متاثر ہونے سے بچالیں گے۔



خلاصہ کلام

مستشرقین کے بارے میں چند اختتامی کلمات

صلیبی جنگوں نے جب سیاسی اور فوجی لحاظ سے ناکامی اور پسپائی کا سامنا کیا، تو مغربی دنیا کے لوگ اسلام اور اس کے چاہنے والوں سے انتقام لینے کے لیے فکر مند ہو گئے، چنانچہ انہوں نے انتقام لینے کے لیے کئی طریقے اپنائے۔ مغرب نے اسلام سے انتقام کا سب سے پہلا طریقہ یہ اختیار کیا کہ اسلامی علوم اور کتابوں کی تحقیق و تنقید کرنا شروع کر دیا اور اسی انتقامی فکر (جو قرون وسطیٰ میں مغرب میں عیسائی معاشرے پر چھایا رہا) کے ماحول میں جب عالم اسلام سیاسی، فوجی، اقتصادی اور ثقافتی حیثیت سے انحطاط کا سامنا کر رہا تھا تو مغرب میں اسلامی ممالک پر طاقت و قوت کے زور پر قبضے اور تسلط کی فکر پروان چڑھ رہی تھی، اور اہل مغرب نے اسلامی ملکوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا، ابھی بہت ہی کم اسلامی ملکوں پر اہل مغرب کا تسلط ہو پایا تھا کہ مذہب اسلام اور تاریخ اسلام پر اہل مغرب کی تحقیقات شروع ہو گئیں اور رفتہ رفتہ ترقی کرنے لگیں، اور یہ استشراقی علوم مغصوبہ اسلامی ممالک کے عوام کو اپنی سامراجی سیاست صحیح باور کرانے کے لیے دن بہ دن آگے بڑھتے رہے۔ اسلامی تراث پر اہل مغرب کی جو تحقیقات شروع ہوئی تھیں وہ دینی، تاریخی اور تہذیبی و ثقافتی ہر زاویے سے گذشتہ صدی کے اختتام تک پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ تحقیقات دو سبب سے حق تک رسائی سے محروم رہتی ہیں:

(۱) حق تک رسائی میں پہلی رکاوٹ دینی تعصب ہے۔ اگر کسی شخص کے اندر دینی تعصب پایا جاتا ہے تو وہ کسی بھی مذہب کی تحقیق میں حق تک نہیں پہنچ سکتا، ایسا ہی حال اہل

مغرب کا ہے کہ مغرب کے حکم رانوں اور فوجی قائدین کے اندر دینی تعصب ہمیشہ راسخ رہا، دینی تعصب کا ہی اثر ہے کہ جب پہلی عالمی جنگ میں اتحادیوں کا لشکر بیت المقدس میں داخل ہوا تو لارڈ آلبنی "Lord Albin" نے ایک جملہ کہا تھا جو بہت مشہور ہے، وہ یہ ہے:

“الآن انتهت الحروب الصليبية۔“

ترجمہ: اب صلیبی جنگوں کا زمانہ ختم ہوا۔

لیکن صرف فوجی اعتبار سے، اور جہاں تک دینی تعصب کی بات ہے تو وہ اہل مغرب کے ذہن و دماغ میں ایسا راسخ ہوا کہ مذہب اسلام، اسلامی تہذیب و ثقافت، اسلام اور بانی اسلام کی انصاف پسندی اور دیانت داری پر عیسائی محققین نے جب بھی کچھ لکھا یا کوئی تجزیہ پیش کیا تو دینی تعصب کا اثر ان میں جگہ جگہ نمایاں رہا۔ اسلام اور بانی اسلام کی صداقت و حقانیت کے بارے میں اگر کچھ دیانت داری ملتی بھی ہے تو وہ ان مغربی محققین اور ادیبوں کی تحریروں میں ہے جو اپنے دین کے شکنجے سے آزاد ہو چکے تھے۔ ”گوسٹاف لوبون“ کی کتاب ”حضارة العرب“ سے اس کی ایک مثال بھی ملاحظہ کرتے چلیں، تاکہ ہماری بات مزید مبرہن ہو جائے۔

”گوسٹاف لوبون“ کی یہ کتاب ایک عظیم الشان کتاب ہے جو ایک مغربی مستشرق کے قلم سے اسلام اور اس کی عالم گیر ثقافت کی حقانیت واضح کرنے کے لیے صادر ہوئی ہے۔ ”گوسٹاف لوبون“ ایک فلسفی شخص تھا جو خدا کا منکر تھا، وہ کسی بھی مذہب پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اس کے الحاد اور اسلام پسندی کی وجہ سے اہل مغرب اپنے علمی حلقوں میں اسے شایان شان عزت و اہمیت نہیں دیتے تھے۔

”گوسٹاف لوبون“ انیسویں صدی میں علمائے تاریخ و معاشرتی علوم کے ماہرین میں سے ایک بڑا عالم شمار کیا جاتا ہے، اس کے باوجود اہل مغرب خصوصاً فرانسیزیوں نے اس کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا صرف اور صرف ان اسباب کی وجہ سے جن کی طرف میں نے

ابھی اشارہ کیا (یعنی الحاد اور اسلام پسندی)۔

(۲) حق تک پہنچنے میں دوسری چیز جو مانع ہے وہ مادی اور علمی قوت کا غرور و تکبر ہے، اور اہل مغرب دو صدیوں (اٹھارھویں اور انیسویں) میں سائنسی اور مادی ارتقا کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے۔ مغرب کے علماء و مؤرخین اور قلم کاروں کے ذہن و دماغ میں اسی وجہ سے اتنا غرور آ گیا کہ مصری تہذیب کے علاوہ تاریخ کی ساری تہذیب و ثقافت کا منبع اور اصل اپنے آپ کو سمجھ بیٹھے، اور یہ کہہ بیٹھے کہ ہماری ہی عقل صحیح غور و خوض کر سکتی ہے، اور بقیہ اقوام خصوصاً مسلم قوم تو فطری طور پر سیدھا سادھا سوچنے کی عادی ہے۔ کچھ مستشرقین نے مسلم اذہان کو "بسیطة" اور "ساذجة" جیسے الفاظ سے متصف کیا ہے، اور مستشرق گب "Gibb" نے تو اپنی کتاب "وجهة الإسلام" میں مسلم ذہنیت کو لفظ "ذریة" سے تعبیر کیا ہے، اور اس سے یہ مراد لیا ہے کہ اسلامی عقل کو معاملات کا علم جزئیات کے واسطے سے ہوتا ہے، اس کے پاس تو علم کلی کے ادراک کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

جن قوموں پر اہل مغرب کا استعمار تھا ان کی جہالت و تخلف اور تمام شعبہ ہائے حیات میں ان کی پستی اور فکری انحطاط ان کی نظروں کے سامنے تھی، اس لیے وہ تہذیب و ثقافت میں اپنی اصلیت اور سلامتی عقل و فکر کا دعویٰ کر بیٹھے۔

جب انیسویں صدی کے اوائل میں مغربی تہذیب و ثقافت سے ہمارا ملاپ ہوا، اور یہ تہذیب ہمارے درمیان پھیل گئی تو علمائے شریعت کے علاوہ جو مہذب اور تعلیم یافتہ حضرات تھے انہیں پرانی کتابوں میں بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے ہمارے علوم سے استفادہ کرنے کا کوئی ایسا ہموار اور منظم طریقہ نہیں ملا جو مستشرقین کی علمی کتابوں کی ترتیب و تنظیم کے مطابق ہو اور یہ سہولتیں ان کو مستشرقین کی کتابوں میں بہ درجہ اتم ملتی تھیں، کیوں کہ ان مستشرقین نے ہماری تہذیب و ثقافت کی تحقیق اور اپنے عام کتب خانوں میں اس کے مصادر و مراجع کی تلاش و جستجو میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں، یہاں تک کہ ان میں

سے بعض نے تو ہماری ثقافت کے ایک ایک گوشے پر کتابیں تصنیف کرنے کے لیے بیسیوں سال لگا دیے، اور متقدمین علمائے کتابوں سے قدیم مصادر جو بھی ان کے ہاتھ لگ سکتے تھے ان سب کو کھنگھال ڈالا۔

اہل مغرب کی یہ پیہم کوششیں جاری رہیں اور وہ اس کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے رہے۔ دینی اور سامراجی جذبے سے سرشار ہو کر انہوں نے ہماری تہذیب و ثقافت سے متعلق ایسی منظم اور مرتب کتابیں پیش کیں کہ ہماری قوم کے مہذب اور مشفق حضرات کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، اور ان کتابوں نے ان کے دلوں پر اپنا قبضہ جمالیا، بالخصوص جب انہوں نے اہل مغرب کے طرز و اسلوب کا ہماری قدیم علمی کتابوں سے موازنہ کیا تو وہ مستشرقین کی کتابوں سے پورے انہماک سے استفادہ کرنے لگے۔ انہیں ان کا علم اور وسعت علمی بھاگتی، وہ یہ گمان کر بیٹھے کہ مستشرقین حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتے ہیں اور انہوں نے جن امور میں ہم سے اختلاف کیا ہے ان میں ان کا فیصلہ زیادہ درست، راجح اور قابل حجت ہے۔ کیوں کہ وہ علمی اور تحقیقی اسلوب اختیار کرتے ہیں اور وہ اس سے سرموبجی انحراف نہیں کرتے ہیں۔ جب لوگ مستشرقین کے بارے میں اس حسن ظن کے شکار ہوئے تو اہل مغرب کی تحقیقات اور ان کے آراء و افکار پر اعتماد کرنے لگے، ان مشفق حضرات کو اتنی بھی فرصت نہ مل سکی کہ ان اسلامی مصادر و مراجع کی طرف رجوع کر لیتے جن سے مستشرقین اور ان کے علاوہ مغربی محققین نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ رجوع نہ کرنے کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں:

(۱) ہمارے علمی مراجع کی طرف رجوع میں درپیش صعوبتیں۔

(۲) علمی تحقیقات کو منظر عام پر لانے کی جلد بازی۔

(۳) مشہور و معروف حقائق کے خلاف اپنی نئی تحقیقات لانے کی خواہش جو کہ ہمارے علمی

اور دینی حلقوں وغیرہ میں رائج ہے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ ہماری اپنی کمی، کم زوری اور اپنے آپ پر عدم اعتماد کا

شعور مغربی محققین کے بالمقابل حد سے تجاوز کر گیا تھا، ان کا احترام اور ان کی قدر و قیمت

ہماری نظروں میں بہت زیادہ ہو چکی تھی، اور ہمارے دلوں میں ان کے بارے میں خوش اعتقادی گھر کر چکی تھی۔ لیکن جب ہمارے سیاسی شعور کی تحریکیں شروع ہوئیں اور اہل مغرب کے جنگل سے ہمیں سیاسی آزادی حاصل ہونے لگی، تو ہمارے اندر فکری آزادی کا جذبہ بیدار ہونے لگا، دوسروں کی فکر کے پابند رہنے کا خیال مٹنے لگا، اپنی ذات، تہذیب و ثقافت اور علمی تراث کی قدر و قیمت کا احساس دلوں میں لہریں مارنے لگا، اپنے اسلامی تراث اور عقائد و قوانین کی معرفت کے لیے مستشرقین کی تحقیقات پر تکیہ کرنے کا موقف ہماری غیرت و حمیت کو جھنجھوڑنے لگا، اور شرمندگی کا احساس دلانے لگا، اور ہمارے مذہبی حلقوں وغیرہ میں خود اعتمادی اور بلند فکری کا شعور پروان چڑھنے لگا، تو ہم نے مستشرقین کی تحقیقات اور ان کے ذہنی اور سامراجی اغراض و مقاصد کے پس پردہ اسرار و رموز کی حقیقت تک رسائی کے لیے تگ و دو شروع کر دیا۔

ابھی تک ہم اسی منزل کی طرف گام زن ہیں اگرچہ یہ سلسلہ اب تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا ہے، اور ہمیں اپنی مکمل شخصی آزادی حاصل نہیں ہو سکی ہے، کیوں کہ اللہ رب العزت کی عادت کریمہ ہر چیز میں یوں ہی ہوتی ہے (یعنی اشیاء کی تکمیل عموماً بتدریج ہوتی ہے) اللہ کے فضل سے ہم اس منزل کی طرف ضرور پہنچیں گے، یہاں تک کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ ہماری نسلیں حیرت و استعجاب میں ڈوب کر کہیں گی کہ ہمارے آباء و اجداد مستشرقین سے اس قدر فریب زدہ تھے؟

ان شاء اللہ ایک دور ایسا آئے گا کہ ہم مغربی علوم، مغرب کے عقائد و مذاہب اور مغربی تہذیب و کلچر پر تحقیق و تنقید کرنے لگیں گے، اور ہماری آنے والی نسلیں مغربی تہذیب و ثقافت اور عقائد و مذاہب پر تحقیق و تنقید کا وہی معیار اور پیمانہ اپنائیں گی جو پیمانہ اور معیار اہل مغرب نے ہماری تہذیب و ثقافت اور مذہبی علوم کی تنقید کے لیے اپنایا ہے، تو اس وقت ان کے علوم و عقائد میں اس سے کہیں زیادہ خامی اور کم زوری نظر آئے گی، جس کو کہ آج وہ تحقیق کے نام پر ہمارے علوم و عقائد کے ساتھ چسپاں کر رہے ہیں۔

آپ ذرا خود غور فرمائیں کہ اگر مسلمان بھی اہل مغرب کی مقدس کتابوں اور علمی تراث کی تنقید میں وہی معیار اپنالیں جو معیار کہ مستشرقین نے قرآن و حدیث کی تنقید کے لیے اپنایا ہے تو کیا ان کی کتابوں اور تاریخی علوم میں کوئی ثبات اور استحکام رہ جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

آپ ذرا سنجیدگی اور متانت سے سوچیں کہ اگر مسلمان بھی مستقبل میں مستشرقین کے وضع کردہ علمی تنقید کا وہی پیمانہ استعمال کریں جنہیں مستشرقین آج ہماری تاریخ اور ہمارے ائمہ کرام کی تحقیق و تنقید کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور انہیں اصولوں کی روشنی میں ان کی تہذیب و ثقافت، مقدسات، فائین اور ان کے رہ نماؤں کا اگر تنقیدی جائزہ لیں تو کیا وہ شکوک و شبہات اور بدگمانی کا اس سے بدتر نتیجہ نہیں اخذ کریں گے؟ جتنا بدتر نتیجہ کہ آج مستشرقین ہماری تہذیب و ثقافت اور ہمارے علما کے بارے میں اخذ کرتے ہیں۔ کیا ان کی یہ تہذیب و ثقافت بے جان، ناپایہ دار اور بوسیدہ نظر نہیں آئے گی؟ اور کیا اس کلچر کے پروردہ علما، سیاست داں اور ادبا (جن میں احترام، اخلاق، فضیلت اور ضمیر نام کا دور دور تک نام و نشان نہیں ہے) بے رونق اور پڑمردہ نظر نہیں آئیں گے! ضرور بہ ضرور نظر آئیں گے۔

میری دلی خواہش ہے کہ میری قوم میں ایسے قلم کار پیدا ہوں جو اہل مغرب کے علما کی تاریخ اور اس کی تہذیب و ثقافت پر قلم اٹھائیں تو وہی اسلوب اختیار کریں جو اسلوب کہ مستشرقین نے اختیار کیا ہے۔ مثلاً غلط روایتوں کو تلاش کرنا، عبارتوں کا من مانا مفہوم نکالنا، محاسن کو برائیوں کی شکل میں پیش کرنا اور مغرب کے اندر جو اچھائیاں ہیں ان کے بارے میں لوگوں کو بدظن کر دینا۔ اگر ہمارے قلم کار ایسا کر دیں تو ان کے علما اور ان کی تہذیب و ثقافت کا ایسا مضحکہ خیز اور بدنما منظر سامنے آئے گا کہ جسے دوسروں سے پہلے وہ خود ناپسندیدہ سمجھیں گے۔

کاش! کوئی شخص اس ذمہ داری کو قبول کرتا اور اہل مغرب نے تنقید کے جو پیمانے اپنائے ہیں وہ بھی وہی پیمانہ اپنا کر ان کے سامنے ان کے علوم و عقائد اور تہذیب و ثقافت کی اصلی صورت پیش کرتا، تاکہ مستشرقین اپنے سر کی آنکھوں سے مطالعہ کرتے اور اپنے ماتھے

کی نگاہوں سے دیکھتے کہ وہ اسلوب و پیمانہ کس قدر ان کے لیے وبالِ جان بن گیا ہے۔ (جس کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اس اسلوب کو ہماری صحیح تاریخ و عقائد کی معرفت کے لیے استعمال کرتے ہیں) تو شاید وہ اس کے بعد عبارتوں کی تحریف و تبدیل سے باز آجائیں اور حقائق و معارف کا انہدام جو ان کا شیوہ رہا ہے اس پر شرم سار ہوں، ورنہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

میں مکمل یقین سے کہہ رہا ہوں کہ اب وہ دور چلا گیا جب ہم اپنے علوم و تاریخ کی معرفت کے لیے اہل مغرب کے مراجع پر اعتماد کرتے تھے، حالاں کہ ان کے پاس ہماری کتابوں اور تاریخ کے علاوہ ایک بھی مرجع نہیں تھا، اگرچہ ہم ماضی میں اس سے نا آشنا تھے۔ اب وہ وقت آچکا ہے کہ ہم اپنے مصادر سے جہالت کا حجاب اٹھا پھینکیں۔ یہ بات تو نہایت ہی باعثِ شرم و عار ہے کہ ہم اپنے مصادر، عقائد اور علما کی معرفت کے لیے اہل مغرب کا سہارا لیں، جیسا کہ مستشرقین چاہتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد ہمارے دین اور ہمارے علما کے بارے میں شکوک و شبہات اور بدگمانی سے آمیز ہو۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم مستشرقین کی تحقیقات کا سہارا چھوڑ دیں، کیوں کہ اب ہم اپنے مدفون علمی خزانے شائع کر چکے ہیں، ان پر پڑے ہوئے غبار کو جھاڑ چکے ہیں، اب ہمارے دل پاکیزہ شعور سے لب ریز ہو چکے ہیں اور ہمارے اندر آزادی کا جذبہ موج زن ہو چکا ہے۔

اتنی ساری تفصیل کے بعد بھی اب اگر کوئی ہمارے علوم کے بارے میں مستشرقین کے افکار و نظریات پر حسن ظن رکھتا ہے تو اسے میری کتاب "السنة و مكانتها في التشريع الاسلامي" کا مطالعہ کرنا چاہیے جس میں میں نے مستشرقین کے افکار و خیالات پر بہت تفصیلی بحث کی ہے، اس کے علاوہ بھی دیگر کتابیں ہیں جو مستشرقین کی عیاریوں اور چال بازیوں کو بے نقاب کرتی ہیں جن کے مطالعے سے ان کی حقیقت منکشف ہو جائے گی اور ان کا صحیح چہرہ سامنے آجائے گا۔

اگر ہم گولڈ زیہر "Gold zihar" وغیرہ متعصب مستشرقین، تحریف کرنے والے اور گم

راہ گر کے ساتھ اس طرح کا سخت رویہ اختیار کرتے ہیں تو ہم ان کے علاوہ ان منصف
مستشرقین کی ناقدری نہیں کریں گے جنہوں نے ہماری قدیم قیمتی کتابوں کی نشر و اشاعت
میں بہترین کردار ادا کیا ہے اور تلاشِ حقیقت جن کا اوڑھنا بچھونا رہا ہے، کیوں کہ علم کسی قوم کی
اجارہ داری نہیں ہے۔ مذہب اسلام منزل من السماء ایک دین ہے جو سارے عالم کے لیے
بھیجا گیا ہے، اس کے فہم و ادراک کے تعلق سے کسی قوم کو دوسری قوم پر ترجیح نہیں دی
جاسکتی ہے، ہر شخص کو اس کے سمجھنے کا اختیار ہے، جتنا چاہے سمجھے، کوئی ممانعت نہیں ہے، فقط
شرط یہ ہے کہ وہ زیورِ علم سے آراستہ ہو اور صفتِ علما سے متصف ہو۔ انصاف پسندی، حق گوئی،
خلوص و للہیت اور خواہشات و تعصب سے نفس کی پاکیزگی ہی صفتِ علما ہے۔



استشراق کے موضوع پر اہم عربی کتب

(۱)

نام کتاب : الاستشراق، وجہ للاستعمار الفکری۔ نام مصنف: ڈاکٹر عبدالمتعال محمد البحرى
 زبان : عربی مطبع : مکتبہ وہبہ، عابدین، قاہرہ
 تعداد صفحات: ۲۹۴ سن اشاعت: ۱۹۹۵ء طبع : اول
 تعارف مشمولات:

یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، دور حاضر کے ایک نہایت اہم موضوع "استشراق" سے متعلق ہے۔ اس کتاب کے مقصد طباعت کے بارے میں مصنف کتاب کے مقدمے میں بیان فرماتے ہیں:

فهذه دراسة عن الاستشراق واهدافه العامة، تكشف عن طريقة وطبيعة دراسة المستشرقين للاسلام وتاريخه والسيرة النبوية المطهرة، ورد على اباطيلهم^(۱)

"یہ استشراق اور اس کے عمومی اہداف کا مطالعہ ہے جس میں مستشرقین کے اسلام، تاریخ اسلام اور سیرت نبوی ﷺ کے متعلق مطالعات کے طریق کار اور رویے کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے جھوٹے الزامات کا رد کیا گیا ہے۔"

کتاب کے تین ابواب ہیں جن کو فصول کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان میں درج ذیل ترتیب سے استشراق اور مستشرقین کے اہداف و مقاصد کا محاکمہ کیا گیا ہے۔

باب اول: استشراق اور اس کے اہداف: (صفحہ ۱۱ تا ۱۷۴)

اس باب میں استشراق کا عمومی تعارف اور مستشرقین کے اہداف و مقاصد کا بیان ہے۔ ان میں علمی، اقتصادی، سیاسی، تبلیغی و مشنری اہداف و مقاصد کا جامع تجزیہ کیا ہے۔

باب دوم: تاریخ استشراق (صفحہ ۱۷۵ تا ۲۰۶)

دوسرا باب تاریخ استشراق سے متعلق ہے جس میں اندس، فرانس، صقلیہ، اٹلی، روس، ڈنمارک، ہالینڈ، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ میں استشرقی مقاصد کے لیے کیے گئے کام اور اس میں شامل مستشرقین کا ذکر کیا ہے۔

(۱) الاستشراق، وجہ للاستعمار الفکری، مکتبہ وہبہ، عابدین، قاہرہ، طبع اول ۱۹۹۵ء، ص ۷

باب سوم: مستشرقین اور ان کی تحریروں کا جائزہ (صفحہ ۲۰۷ تا ۲۸۴)

اس حصے میں مستشرقین کے تحریری کام کا جامع جائزہ پیش کیا ہے۔ اس جائزے میں مصنف نے ہر پہلو سے مستشرقین کے کام کو تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ ان کے نہاں تعصب، علمی خیانتوں، عمدہ تحریفات اور غیر ثقہ روایات کے ذریعے اسلام کے متفق علیہ معاملات کو مشکوک بنانے کی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح مشہور عام تاریخی حقائق و واقعات کی تحقیق کر کے اصل صورت حال قاری کے سامنے پیش کی ہے۔ مثلاً کتب خانہ اسکندریہ کو جلانے کا الزام مسلمانوں پر لگانا، تورات و انجیل کی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں پیش گوئیوں میں یہود و نصاریٰ کی تحریف، تاریخ، کون ڈی پرسی وال (۱۸۳۵ء) (Jean-Jacques-Antoine Caussin De Perceval) کی کتاب ”تاریخ الاسلام“ میں مکہ اور کعبہ کا پانچویں صدی عیسوی سے پہلے وجود نہ ہونے کے بارے میں ہرزہ سرائی، بنو امیہ پر بلا وجہ جنگ و جدل اور ہوس ملک گیری کے اتہام، اسلامی فتوحات کے بارے میں پھیلائے گئے شکوک و شبہات وغیرہ۔

(۲)

نام کتاب : موسوعۃ المستشرقین نام مصنف : ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی
زبان : عربی مطبع : دارالعلوم للملایین، بیروت لبنان
تعداد صفحات : ۶۲۰ سن اشاعت : جولائی ۱۹۹۳ء طبع : ثالث
تعارف مشمولات

یہ کتاب جیسے کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مستشرقین کا دائرہ معارف ہے۔ مصنف نے انتہائی محنت اور توجہ سے انحائے عالم سے مستشرقین کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے اس مجموعے میں جمع کر دی ہیں۔ استشراق اور مستشرقین کے موضوع پر تحقیق کرنے والے افراد کے لیے اس کتاب سے صرف نظر کرنا بہت مشکل ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں الف بانی ترتیب کے ساتھ دو سو تا سی (۲۸۷) مستشرقین کے مکمل کوائف جمع کر دیے ہیں۔ ان کوائف میں مستشرقین کے حالات زندگی، تعلیم تربیت، علمی و تحقیقی کام اور ان کی کتب، مقالات، تراجم وغیرہ کا تعارف شامل ہے۔ کتاب میں کوئی مقدمہ یا ابتدائیہ نہیں ہے، جس سے یہ جاننے میں بہت مشکل پیش آتی ہے کہ مصنف نے خود کن حالات میں اس کتب کو انجام دیا ہے۔ وہ کیا وجوہات تھیں جن کے زیر اثر اس نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ان اعداد و شمار کے حصول میں اس کو کس قدر مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح خود مصنف کے اپنے حالات و کوائف کا بھی کوئی ذکر اس کتاب میں نہیں ہے۔

مستشرقین کا ذکر کرنے کے علاوہ فاضل مصنف نے دو مبسوط مقالات بھی کتاب میں شامل کیے ہیں۔ پہلا مقالہ یورپ میں پریس کے آغاز اور خاص طور پر قرآن مجید کی طباعت کی تاریخ کے بارے میں مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح اس کے ساتھ لاطینی اور یونانی زبانوں میں عربی کی لغات کی طباعت کی

تاریخ بیان کی گئی ہے۔ دوسرے مقالے میں یورپ، ایشیا اور کئی دوسرے ممالک میں قرآن مجید کی طباعت و اشاعت کی تاریخ بڑی جامعیت سے ذکر کی گئی ہے۔ یہ دونوں مقالات اگر کتاب کے آغاز یا آخر میں ہوتے تو قارئین کے لیے بہت مفید ثابت ہوتے لیکن مصنف نے ان کو کتاب کے تقریباً وسط میں مستشرقین کی الف بانی ترتیب کے اندر بالترتیب (م: مطبع، معجم اورق: قرآن) کے ذیل میں درج کیا ہے۔ اس کا نتیجہ، لامحالہ یہ نکل سکتا ہے کہ کتاب کو سرسری طور پر دیکھنے والا قاری اتنے اہم مقالات سے محروم رہ سکتا ہے۔ کتاب کے آخر میں تمام مضمومات کی فہرست دی گئی ہے جس میں الف بانی ترتیب کے ساتھ تمام مستشرقین کی فہرست بھی موجود ہے۔

(۳)

نام کتاب : الاسلامیات، بین کتابات المستشرقین والباحثین المسلمین
 نام مصنف : ابوالحسن علی الندوی
 مطبع : مؤسسہ الرسالہ، بیروت، لبنان
 زبان : عربی
 تعداد صفحات : ۸۲
 طبع : ثالث
 سن اشاعت : ۱۹۸۶
 تعارف مضمومات :

یہ کتاب برصغیر پاک و ہند کے معروف عالم دین اور محقق ابوالحسن علی ندوی کی تحقیق پر مبنی ہے۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ، انڈیا نے ۲۱ تا ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء میں ”شہلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ“ کالج میں استشراق کے موضوع پر ایک کانفرنس منعقد کی۔ اس کانفرنس کی صدارت علامہ یوسف القرضاوی نے کی۔ کانفرنس میں عالم اسلام کے معروف علماء و محققین نے شرکت کی اور اپنے مقالات پیش کیے۔ زیر نظر کتاب اسی کانفرنس میں پیش کیے گئے مقالے پر مشتمل ہے جو مولانا ابوالحسن علی ندوی نے پیش کیا۔ مقالے میں ابتدائی کلمات میں فاضل مصنف نے اسلام کی نظر میں حق گوئی، عدل و انصاف اور پاس امانت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ذکر کرنے کے بعد مستشرقین کی ان کوششوں کا اعتراف کیا جو انھوں نے اسلامی علوم کے سلسلے میں کی ہیں۔ ان میں پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ (T.W. Arnold) اسٹینلے لین پول (Stanley Lane Pool) ڈاکٹر سپرنگر (Dr. Aloys Sprenger)، ایڈورڈ ولیم لین (Edward William Lane) اے جے ولسنک (A.J. Wensinck) جی۔ بی۔ سٹریچ (G.B. Streng) کا ذکر کرتے ہوئے ان کی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے مستشرقین کی کتب میں موجود خامیوں، کوتاہیوں اور متعصبانہ تحریروں کا ذکر کرتے ہوئے ان کو ایسے (Drain Inspector) سے تشبیہ دی ہے جس کو صرف گندگی ہی نظر آتی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اسلامی دنیا کا ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کی علمی غفلت اور کمزوری کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کو اسلامی علوم کے سلسلے میں غیر مسلم مستشرقین کی کتب سے استفادہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مسلم دنیا کے علماء و محققین کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اغلاط سے پاک اور خالص اسلامی

تحقیق پر توجہ دیں اور مستشرقین کی تصانیف کا تنقیدی جائزہ لیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنے تعصب اور اسلام دشمنی کے باعث احقاق حق کے بجائے اسلامی تعلیمات و افکار کو دھندلانے اور ان میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے آخر میں انھوں نے یورپ، عرب، ایران، ترکی، پاکستان اور ہندوستان کے کچھ اداروں، محققین اور ان کی تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے۔

(۴)

نام کتاب : المستشرقون الناطقون بالانجليزية
 نام مصنف : ڈاکٹر عبداللطیف الطیباوی (ترجمہ: ڈاکٹر قاسم السامرائی)
 زبان : عربی مطبع : ادارۃ ثقافت و النشر جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ
 تعداد صفحات : ۲۱۶ سن اشاعت : ۱۹۹۱ء
 تعارف و مضمولات :

ڈاکٹر عبداللطیف طیباوی (۱۹۱۰ مئی - ۱۹۸۱ء) ایک بہترین محقق اور استاد تھے۔ انھوں نے ایک طویل عرصہ تک یورپی مستشرقین کی تصانیف، اسلامی علوم کے بارے میں ان کی تحقیقات اور ان کے پس پشت مقاصد کا مطالعہ کیا ہے۔ زیر نظر کتاب ان کی انگریزی کتاب "English Speaking Orientalists" کا عربی زبان میں ترجمہ ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں مستشرقین کے طریق کار، اسلوب، تالیفات اور مقاصد کا بڑی خوبی اور کامیابی سے احاطہ کیا ہے۔

کتاب کا پہلا مقدمہ "تقدیم" کے نام سے، مدیر جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، عبداللہ بن عبدالرحمن ترکی نے لکھا ہے اور مصنف اور کتاب کے مضمولات کا جامع تعارف پیش کیا ہے۔ اس کے بعد "المقدمہ" کے نام سے مترجم ڈاکٹر قاسم السامرائی کے قلم سے لکھا ہوا مقدمہ ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ اس کتاب کی بنیاد، ڈاکٹر طیباوی کے دو مقالات ہیں۔ ان میں سے ایک "مجلد العالم الاسلامی" امریکہ میں ۱۹۶۳ء، "مجلد المرکز الثقافی الاسلامی" لندن میں ۱۹۶۴ء، انگریزی و جرمن زبانوں میں ۱۹۶۵ء اور فارسی زبان میں ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر طیباوی نے کتاب کے آغاز میں استشراق کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ کوئی نئی تحریک نہیں ہے، بلکہ اس کا آغاز حضور ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اسلام کی مخالفت کی اور اس کی روشن تعلیمات کو دھندلانے کی کوشش کی۔ انھوں نے (معاذ اللہ) اسلام کو شیطانی مذہب، قرآن مجید کو خرافات کا مرقع اور رسول اللہ ﷺ کو نبی کاذب قرار دیا۔ ان کی دشمنی و عداوت میں مزید شدت چلی جہاں جگہوں کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔ مصنف نے اسلامی علوم کے متعلق انگریزی زبان میں کیے جانے والے مستشرقین کے کام کا جامع تعارف پیش کرتے ہوئے ان کے پس پشت مقاصد پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

زیر نظر کتاب کو دو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں آٹھ فصول اور دوسرے باب میں چھ فصول ہیں۔ آخر میں چار ضمیمہ جات ”جریدۃ الاشارات والتعلیقات“ کے نام سے حوالہ جات اور اقتباسات کی فہرست اور فہرست مضامین دی گئی ہے۔

(۵)

نام کتاب : الاستشراق، والخلفية الفكرية للصراع الحضاري

نام مصنف : ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق

زبان : عربی

مطبع : دارالمعارف، کورنیش النيل، قاہرہ صفحات : ۱۶۹

سن اشاعت : ۱۹۹۷ء طبع : اول

زیر نظر کتاب تین فصول پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آغاز میں ”کلمۃ الی القاری“ کے عنوان سے مصنف نے کتاب کی تالیف کے اسباب اور وجوہات کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب کی بنیاد مصنف کا ایک لیچر ہے جو آپ نے ۱۹ دسمبر ۱۹۸۲ء میں ”الاسلام والاستشراق“ کے عنوان سے دوحہ، قطر میں ہونے والی ایک کانفرنس میں دیا تھا۔ مذہبی و دینی امور کی وزارت نے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کو مزید تفصیل کے ساتھ کتابی شکل میں پیش کرنے کی گزارش کی۔ چنانچہ مصنف نے ۱۹۷۹ء میں کتاب ”الاسلام فی الفکر الغربی“ تصنیف کی۔ اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن ”الاسلام فی مراۃ الفکر الغربی“ کے عنوان سے مزید اضافات کے ساتھ، دارالفکر العربی سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ زیر نظر کتاب ایک لحاظ سے ان سب کتب کی جامع ہے۔ اس میں سابقہ کتب کے مباحث کے ساتھ ساتھ نئے اضافات بھی کیے گئے ہیں۔

ابتدائی تعارف کے بعد مقدمہ ہے جس میں مصنف نے استشراق کی اہمیت اور مغربی دنیا اور عالم اسلام میں مغربی مفکرین کی تحقیقات کے اثرات پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ کے بقول یورپی محققین نے اپنی تحریروں میں اسلام کی صحیح تصویر پیش نہیں کی۔ ان کی معلومات کا سارا انحصار اور دارومدار مغربی مفکرین کی تحریروں پر ہے۔ وہ اسلام کو اس کے اصل مصادر کے ذریعے سے نہیں جان پاتے۔ اس وجہ سے جو فکری لغزشیں ان کے پیش رو مفکرین نے کی ہیں، بعد میں آنے والے تمام محققین اور مفکرین انھی کو تھامے ہوئے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات اور فکر کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے اصل مصادر سے رجوع کیا جائے۔ ان مفکرین کے کام کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ نہایت مفید کام پر مشتمل ہے، جس میں عربی مخطوطات کی ترتیب و تدوین، لغات، معاجم اور فہارس کی تیاری ہے۔ اسی طرح اسلامی علوم و فنون سے متعلق بہت ساری مفید تحقیقات ان کے ہاتھوں سے انجام پائی ہے لیکن اس کے برعکس ان کے کام کا دوسرا حصہ جو قرآن، سنت، حدیث، تاریخ اور اسلامی احکام و مصالح سے متعلق ہے، اس میں ان لوگوں نے متعلقہ علوم و فنون سے ناواقف ہونے اور اصل مصادر تک رسائی نہ ہونے کے باعث ٹھوکر کھائی ہے اور غلط توجیہات کی ہیں۔

کتاب کی پہلی فصل ”مدخل تاریخی“ میں تحریک استشراق کے آغاز، اہداف اور اس کے ارتقا کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسری فصل ”المتشرقون و موقفهم من الاسلام“ میں مختلف اسلامی علوم

وفنون کے میدانوں میں مستشرقین کے حقیقی و تصنیفی کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مثلاً تدریس، مخطوطات کی تدوین و حفاظت، تحقیق و تصنیف، ترجمہ، تاریخ ادب عربی، دائرۃ المعارف الاسلامیہ اور معاجم وغیرہ۔ اسی طرح اس فصل میں مستشرقین کی طرف سے قرآن، حدیث، سنت، شریعت اور دیگر اسلامی علوم کی غلط تفہیم اور تعبیر کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ تیسری فصل میں تحریک استشراق کے بارے میں مسلمانوں کے موقف کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو ان کے مقابلے کے لیے تیار کرنے کے لیے مفید تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ آخر میں فہرست مسمولات اور اس سے پہلے ایک ضمیمہ ”مرکز الدراسات و الموسوعات الاسلامیہ“ ہے۔ یہ مرکز مصنف کی کوشش اور توجہ کے نتیجے میں وزارت اوقاف کی زیر نگرانی ۱۹۹۶ء میں قائم ہوا۔ اس کا مقصد اسلامی کتب کو عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنا، اسلامی تعلیمات سے متعلق مستشرقین اور دیگر غیر مسلم محققین کی طرف سے کیے گئے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا ازالہ کرنا اور غیر اسلامی فکر کے مقابلے میں مسلم محققین اور علما کو تیار کرنا ہے۔

(۶)

نام کتاب : الاستشراق والمستشرقون (ماہم وما علیہم)

نام مصنف : ڈاکٹر مصطفی السباعی زبان : عربی

مطبع : دارالوراق للنشر والتوزیع تعداد صفحات : ۸۸

کتاب کا مقدمہ مصنف کے فرزند، حسان مصطفی السباعی نے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آج کا مسلمان اپنی عظیم الشان اور عدیم المثال تاریخ کے سامنے شرمندہ کھڑا ہے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ آج ہمارے بچوں کو جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ غیر مسلم محققین کا دریافت کردہ مسوم علم ہے اور ان کا بنیادی مقصد اسلامی تہذیب و ثقافت، آداب و اخلاق اور علوم و معارف کو دھندلانا اور ان میں شکوک و شبہات پیدا کرنا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں تاریخ استشراق اور مستشرقین کے اسلام پر کیے گئے حملوں کے کچھ گوشوں کی نشان دہی کی ہے۔^(۱)

مصنف نے آغاز میں استشراق کی مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ تاریخ سے اس معاملے کی کوئی مستند اور متعین ریکارڈ دستیاب نہیں ہو سکا کہ سب سے پہلے اہل مغرب میں سے کس نے استشراق کا آغاز کیا۔ البتہ تاریخی ریکارڈ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اندلس کی اسلامی سلطنت کی علمی ترقی اور عروج کے زمانے میں کئی مغربی پادریوں اور علمائے وہاں کی جامعات میں مسلمان اساتذہ سے علم حاصل کیا اور قرآن اور عربی زبان کی دیگر کتب کو اپنی زبانوں میں منتقل کیا۔ ان لوگوں میں فرانسسیسی پادری جربرٹ (Jerbert) جو ۹۹۹ء میں رومی کلیسا کا پوپ بنا، پطرس محترم (1092-1156) اور جیرارڈ ڈی

(۱) اس کتاب کے کچھ حصے مجلہ ”حضارة الاسلام“ میں اور کچھ ”السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي“ میں شائع ہو چکے ہیں۔

کریون (1114-1187) شامل ہیں۔ ان لوگوں نے واپس جا کر اپنے ممالک میں اسلامی علوم و معارف کے مطالعے کے لیے مدارس قائم کیے اور عربی کتب کے یورپی زبانوں میں ترجمے کا کام شروع کیا۔

اس کے بعد استشراق کے اہداف و مقاصد کو تفصیل سے بیان کیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے:

- (۱) مسلمانوں میں نبی کریم ﷺ، قرآن مجید، شریعت اور فقہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا۔
- (۲) اسلامی تہذیب اور افکار کو دھندلانا اور یہ دعویٰ کرنا کہ یہ رومی تہذیب سے مستعار ہیں۔
- (۳) مسلمانوں کے مستند علماء اور ان کے کام میں شکوک پیدا کرنا۔
- (۴) اسلامی اخوت کو ختم کر کے، علاقائی اور لسانی تعصبات کو تخلیق کرنا۔
- (۵) سیرت، قرآن اور دیگر علوم کے بارے میں کتب کی تصنیف اور ان کی نصوص میں عمدہ تحریف کرنا۔
- (۶) اسلامی ممالک میں بتشیری (مشری) و فوذ بھیجنا اور انسانی حقوق اور وفاہی کاموں کے پردے میں عیسائیوں کے فروغ کے لیے کام کرنا۔

اس کے بعد اس مقصد کے لیے جاری کیے گئے مجلات کا تعارف کرانے کے ساتھ ساتھ ان مستشرقین اور ان کے تصنیفی کام کا ذکر بھی کیا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے زیادہ خطرناک ہیں۔ مثلاً آربری (A.J. Arberry)، الفرڈ جیوم (A. Geom) بیرن گراڈی واکس (Baron Garra De Vaux) گب (H.A.R. Gibb) گولڈ زیہر (Gold Ziher) جون مائٹارڈ (Mynard)، زویر (S.M. Zweimer) عزیز عطیہ سوریال، گرونباوم (G.V. Grunbaum) فلپ حتی (Philip Hitti) اے جے وینسک (A.J. Wensink) لوئی میسینون (L. Massignon) ڈی بی میکڈونلڈ (D.B. McDonald) ایس مارگو لیوتھ (D.S. Margoliouth) آراے نکلسن، ہنری ییمنس (Henry Lammens) جوزف شاخت (J. Schacht) شامل ہیں۔

(۷)

نام کتاب : المستشرقون والحديث النبوی نام مصنف : ڈاکٹر محمد بہاء الدین
 زبان : عربی مطبع : دارالنقاش للنشر والتوزیع، العبدلی، عمان
 طبع : اول تعداد صفحات : ۳۲۱ سن اشاعت : ۱۹۹۹ء

یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کو عسکری میدان میں شکست دینے کی بہت ساری کوششیں کیں لیکن کوئی بھی ایسی کوشش اسلام اور اس کے پیغام کو ختم نہیں کر سکی۔ اسلام میں وہ قوت موجود ہے جو آب حیات کی طرح مسلمانوں میں پھر سے زندگی کی روح پھونک دیتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے ایک نئے میدان کا انتخاب کیا اور اسلامی تعلیمات میں شکوک پیدا کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ مصنف کتاب کے مقدمے میں بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دین کی تکمیل کر کے اس کو عملی شکل میں نافذ کیا ہے۔ اس لیے آپ کا اسوہ حسنہ زندگی کے تمام معاملات، عقائد و احکام، عبادات و معاملات، آداب وغیرہ میں مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ کی ساری زندگی کا ایک ایک لمحہ آپ کے صحابہ کے ذریعہ

سے ریکارڈ ہو گیا ہے جو کہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ آپ کے اسوۂ حسنہ کی اہمیت کے پیش نظر مستشرقین کی پوری کوشش ہے کہ اس کو مشکوک اور غلط ثابت کر کے مسلمانوں کو ان کے نبی سے دور کیا جائے۔ اس لیے وہ لوگ چند موضوع اور ناقص روایات کا سہارا لے کر اور احادیث کے الفاظ میں لفظی و معنی تحریف کر کے پورے ذخیرہ حدیث کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ لوگ روایات کی چھان بین کے وہی طریقے استعمال کر رہے ہیں جو خود مسلمانوں نے ایجاد کیے تھے لیکن ان سے ان کا مقصد روایات اور راویوں کے بارے میں شکوک پیدا کرنا، روایت کی تاریخی حیثیت کو دھندلانا اور مسلمانوں کو ان کے علمی ورثے سے دور کرنا ہے۔

زیر نظر کتاب میں مصنف نے مستشرقین کی ناپاک کوششوں کے بارے میں مسلمانوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب چھ فصول پر مشتمل ہے۔ آغاز میں حدیث کا تعارف اور اس کی اہمیت کا بیان ہے۔ فصل اول میں حدیث کی تحقیق اور مطالعات میں مستشرقین کے طریق کار اور مقاصد کو بیان کیا ہے۔ فصل دوم میں تدوین حدیث کی تاریخ اور اس کے بارے میں مستشرقین کے نظریات اور کام کا بیان ہے۔ تیسری فصل میں سند حدیث کے بارے میں مستشرقین کی آرا کا بیان ہے۔ چوتھی اور پانچویں فصل بالترتیب، متن حدیث اور رجال حدیث کے بارے میں ہے۔ چھٹی فصل میں مجموعی طور پر مستشرقین کے باطل اتہامات و شبہات کے مشہور مسلم علماء و مفکرین پر اثرات کا بیان ہے۔ اس فصل میں معروف مصنفین شیخ علی عبدالرزاق، ڈاکٹر طحسین، احمد امین، محمود ابوریہ پر مستشرقین کی زہرا آلود تحریروں کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(۸)

نام کتاب : دائرۃ المعارف الاسلامیۃ الاستشراقیۃ (اضامیل و اباطیل)

نام مصنف : ڈاکٹر ابراہیم عوض زبان : عربی مطبع : مکتبۃ البلد الامین، مصر

تعداد صفحات : ۲۸۶ سن اشاعت : ۱۹۹۸ طبع : اول

زیر نظر کتاب دراصل "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" کا تنقیدی جائزہ ہے۔ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر ابراہیم عوض استاد کلیہ آداب، جامعہ عین شمس، مقدمۃ الكتاب میں تصنیف کے مقاصد بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ گزشتہ چند دہائیوں سے مغربی مفکرین اسلامی علوم و فنون، تاریخ، تہذیب و ثقافت اور دیگر امور کے بارے میں ایک جامع انسائیکلو پیڈیا کی تیاری میں مصروف ہیں۔ یہ دائرہ معارف انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں چار ضخیم جلدوں میں ہے۔

اس کا ایک مختصر ایڈیشن "Shorter Encyclopaedia of Islam" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس کے مطالعے سے اسلام، رسول اللہ ﷺ، قرآن، عقائد اور شریعت کے بارے میں مستشرقین کے معاندانہ جذبات کا واضح اظہار ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے علمی دیانت اور انصاف سے تو کیا کام لینا تھا، عام اخلاقی اقدار کا پاس بھی ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ اس میں جگہ جگہ علمی منہج سے انحراف کیا گیا ہے۔ قرآنی آیات، احادیث اور تاریخی آیات میں عمدہ، معنوی اور لفظی تحریف کی سیکڑوں مثالیں نظر آتی ہیں۔ ان لوگوں نے جو معنی اختیار کیے

ہیں ان کے لیے کوئی معقول سند یا جواز تلاش کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی۔ مصنف نے قرآن مجید، نبی کریم ﷺ، عقائد، امور فقہ، تاریخ، لغوی مسائل اور قرآنی نصوص میں تحریف کی بے شمار مثالیں کتاب میں درج کی ہیں۔ مستشرقین نے قرآن مجید کو حضرت محمد ﷺ کا کلام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ فاضل مصنف نے قرآن اور احادیث کی بے شمار مثالوں سے واضح کیا ہے کہ قرآن اور حدیث میں اسلوب کے لحاظ سے بہت زیادہ فرق ہے۔ قرآن میں بہت سے ایسے اسالیب، الفاظ، حروف پائے جاتے ہیں جن کی کوئی مثال حدیث میں نہیں ملتی۔ اگر قرآن محمد ﷺ کا کلام ہوتا تو ان اسالیب کا کچھ نہ کچھ ثابہ احادیث میں بھی نظر آتا۔ لفظ "اسلام" کا ترجمہ (Peace) کیا گیا ہے۔ جبکہ مسلمان مفسرین نے اس کا ترجمہ عیوب اور نقائص سے پاک کیا ہے۔ اسی طرح لفظ "باری" کے بارے میں مکڈونلڈ نے دعویٰ کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے عبرانی زبان سے مستعار لیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اسی انسائیکلو پیڈیا میں لفظ "محمد" کے ذیل میں آپ ﷺ کے عبرانی زبان سے قطعاً نابلد ہونے کا ذکر موجود ہے۔ مستشرقین کے مقالہ جات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ قرآن اور عربی زبان سے بھی ناواقف ہیں۔ گولڈزیہر نے اپنے مقالہ "فقہ" میں دعویٰ کیا ہے کہ مسلمانوں نے یہ لفظ اور اس کا مفہوم یونانی الفاظ (Juris Prudentis) سے اخذ کیا ہے۔ جبکہ قرآن مجید احادیث اور عرب لٹریچر میں کثرت سے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ توبہ: ۱۲۲، ترمذی: ۲۱، ابن ماجہ: مقدمہ، ابوداؤد: کتاب العلم، موطا: کتاب الجنائز، داری: مقدمہ وغیرہ۔ مارٹینس تھیوڈورس ہوتسما (1851-1943) (Martinus Theodorus Houtsma) نے اپنے مقالے میں تین نمازوں کا دعویٰ کیا ہے۔ (۱)

اسی طرح "ان من ادرك مع الجماعة ركعة" میں "اتم الصلوة" کا ترجمہ (Achieved the Salat) کیا ہے۔ یعنی اس کی جماعت مکمل ہو گئی۔ جب کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جسے جماعت کے ساتھ ایک رکعت بھی مل گئی اس کو جماعت مل گئی اور جو رکعتیں رہ جائیں وہ بعد میں مکمل کی جائیں۔ (۲)

اسی طرح رمضان میں دس روزوں، زکوٰۃ و صدقات اور ان کے مصارف کی غلط تشریح، شعائر اسلام اور مناسک حج مثلاً رمی جمرات، سعی، طواف وغیرہ کو بت پرستوں کے شعائر قرار دینا اور اس جیسے بیسیوں افتراءات پر مصنف نے کڑی گرفت کی ہے۔ (۳)

ان فاضل مستشرقین کی نام نہاد عربی دانی، اسلامی علوم پر گرفت اور علم و فضل کی بے شمار مثالیں پیش کر کے مصنف نے واضح کیا ہے کہ یہ انسائیکلو پیڈیا محض رطب و یابس کا مجموعہ ہے۔ مصنف بیان کرتے ہیں کہ مقالہ عید الاضحیٰ میں صاحب مقالہ نے لکھا ہے: "عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی سنت ہے اور پھر اس کی وضاحت

(۱) دائرۃ المعارف الاسلامیۃ الاستشرقیہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۷

(۲) ایضاً، ص ۱۱۸ (۳) ایضاً، ص ۱۲۵

فرمائی ہے کہ یہ سنت ہر آزاد اور استطاعت رکھنے والے مسلمان پر فرض ہے۔ اب ان مستشرقین فاضلین سے کون پوچھے کہ ایک سنت فرض کیسے ہو گیا۔" (۱)

ان مستشرقین کی ذہنی پستی اور کج روی کی مثال واقعہ افک سے متعلق بیان سے ظاہر ہوتی ہے، جس کے بارے میں جوزف شاخت (Joseph Schacht) (1902.1969) نے یہ الفاظ درج کیے ہیں:

"A Isha's Notorioius Adventure" (۲)

(۹)

نام کتاب : مصادر المعلومات عن الاستشراق والمستشرقین

نام مصنف : علی بن ابراہیم النعملة

زبان : عربی

مطبع : مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ الرياض

تعداد صفحات : ۶۰

طبع : اول

سن اشاعت : ۱۹۹۳ء

مصنف علی بن ابراہیم جامعہ امام محمد بن سعود میں "قسم المکتبات والمعلومات" میں استاد ہیں۔ کتاب کے مقدمے میں مصنف نے استشراق کے دو مقاصد بیان کیے ہیں:

(۱) مغرب میں اسلام کی اشاعت کو روکنا اور اہل مغرب کو اسلام سے بچانا۔

(۲) مسلمانوں پر اپنا اثر ڈالنے کے لیے مسلمان ممالک، ان کی ثقافت، عقائد و آداب اور رسوم و رواج کو

جاننا۔

اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اہل مغرب انگلینڈ، فرانس، اٹلی اور ہالینڈ نے انیسویں صدی میں مسلم ممالک پر قبضے کے بعد وہاں کی ساری علمی میراث، کتب، مخطوطات وغیرہ کو اپنے ممالک میں منتقل کیا۔ استشراقی مطالعات کا آغاز تو انڈس کی اسلامی سلطنت کے زمانے سے ہو چکا تھا لیکن صلیبی جنگوں کے زمانے میں اہل مغرب نے اس کو خصوصی مطالعے کا ہدف بنایا۔ مسلمانوں نے اہل مغرب کی اس حکمت عملی کو بہت دیر میں محسوس کیا۔ بیسویں صدی میں مصر اور شام کی علمی تحریک سے پہلے کسی مسلمان ملک نے مستشرقین اور ان کی تحقیقات کے منفی اثرات کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا۔ مستشرقین چونکہ سارا علمی سرمایہ اپنے ممالک میں لے گئے تھے، لہذا انھوں نے ان کتب و مخطوطات کو اپنے نقطہ نظر سے دیکھا اور ان کو شائع کر کے اسلامی دنیا میں پھیلا دیا۔ ان میں معنوی تحریف کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ (۳) ان مستشرقین کی تحریروں سے متاثر ہو کر اسلامی ممالک میں ایسے بہت سے مفکرین پیدا ہو گئے ہیں جو سلف صالحین کے کج سے انحراف پر قائم ہیں۔ مصنف نے معروف مستشرقین کی تحریروں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ زیادہ تر مستشرقین نے اسلامی افکار کے مطالعے میں تعصب اور بددیانتی سے کام لیا ہے اور ان کے پیش نظر علمی مقاصد سے زیادہ کچھ اور مذموم

(۲) ایضاً ص ۱۵۰

(۱) ایضاً ص ۱۲۸

(۳) مصادر المعلومات، علی بن ابراہیم النعملة، مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ الرياض، ص ۱۲

مقاصد تھے۔ معنوی تحریف کی مثالیں تو تمام کتب سے مل جاتی ہیں، جو کہ مستشرقین کی علمی بددیانتی کا بین ثبوت ہیں۔ ایسے لوگوں سے یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے مخطوطات میں لفظی تحریف بھی کر دی ہو۔ مصنف نے معروف مستشرقین اسٹیفن فیلڈ، اولریش ہارمان، مننگمری واٹ، ہینرش بیکر، برنارڈ لوئیس، نورمن ڈینیل اور میکسم رودنس کی تحریروں کے حوالے سے اپنی بات کو مؤکد کیا ہے۔^(۱)

ان مفکرین نے اسلامی علوم کے مطالعات میں مستشرقین کے تعصب اور بددیانتی کا واضح اعتراف کیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم ایک مستشرق ”بریتھ“ کا قول درج کرتے ہیں جو مصنف نے اس کی کتاب ”انتصار الحضارة ص ۳۰۸ سے نقل کیا ہے:

یریدون قتل حضارة الشرق عمدًا لانہم یریدون اخفاء الحقیقة^(۲)
مصنف نے لکھا ہے کہ مستشرقین کی تحریروں کے متعلق عالم اسلام میں دو قسم کے رویے ہیں: ایک قبول مطلق اور دوسرا مطلق رد۔ مصنف ان کے بین بین رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ چونکہ مستشرقین کی علمی بددیانتی ثابت ہے اس لیے مسلمانوں کو مستشرقین کی تحریروں کو نہ تو بلا تحقیق من وعن تسلیم کرنا چاہیے اور نہ ہی ان کو مکمل طور پر رد کر دینا چاہیے۔ بلکہ ان میں موجود اسہامات کا علمی بنیادوں پر رد کرنا چاہیے۔ ان کے جواب کے لیے عالم اسلام کو سنجیدہ علمی کوششیں کرنی چاہئیں۔

(۱۰)

نام کتاب : معجم افتراءات الغرب علی الاسلام نام مصنف : انور محمود زنائی

زبان : عربی تعداد صفحات : ۲۳۲

زیر نظر کتاب مغربی مستشرقین کے اسلام اور مسلمانوں پر الزامات اور اتہامات کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ مصنف نے معروف مسلم محققین کی تحریروں سے استفادہ کر کے ایک جامع مجموعہ بہترین ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ آغاز میں مسلم مفکرین و مصنفین کی فہرست بھی دی ہے۔ جنھوں نے اپنی زندگیاں مستشرقین کے مقابلے کے لیے وقف کر دی ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں مصنف اس تصنیف کی ضرورت و اہمیت بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ دشمنان اسلام مختلف بھیس بدل بدل کر اسلامی تعلیمات کو مشکوک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا سارا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ قرآن و حدیث، فقہ، سیرت، اسلامی احکام و عقائد، عبادات، تاریخ میں شکوک و شبہات پیدا کریں۔ اس سلسلے میں یہ لوگ علمی دیانت و اخلاقیات کا بھی پاس نہیں رکھتے۔ عربی زبان اور اسلامی علوم کو جانے بغیر ہمیشہ منفی تعبیر اختیار کرتے ہیں۔ ان کی کتب علمی خیانتوں، زبان و بیان کی اغلاط اور سوائے فہم سے بھرپور ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے ترتیب وار مستشرقین کے افتراءات کا ذکر کر کے ان کا رد پیش کیا ہے۔ اس میں تقریباً تمام اہم مستشرقین اور ان کے اعتراضات کا ذکر اور ان کا رد

(۱) مصادر المعلومات، ص ۱۴

(۲) مصادر المعلومات، ص ۱۶

بیان کر دیا گیا ہے۔ مصنف کا طریق کار یہ ہے کہ وہ الف بائی ترتیب کے ساتھ پہلے مستشرق کا تعارف پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کے عائد کردہ الزام کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر اس کا مدلل جواب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔

مثلاً کارل بروکلمان اور بودلی کا یہ اعتراض بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے تجارتی اسفار کے دوران یہود و نصاریٰ سے ملاقاتیں کیں اور ان سے مختلف چیزیں اخذ کیں۔ مثلاً بحیرہ راہب وغیرہ۔ مصنف لکھتے ہیں کہ اول تو بحیرہ نامی کسی راہب کی تاریخ میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر مؤرخین نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ جن واقعات میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تجارتی قافلے تھوڑی دیر ستانے کے لیے اس کے پاس ٹھہرتے اور خوراک پانی لے کر آگے چل دیتے۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر بھی اتنی نہیں تھی کہ آپ اس سے اتنی دقیق معلومات اخذ کرتے جن کی بنیاد پر نبوت جیسا عظیم الشان دعویٰ کیا جاسکتا۔ اسی طرح مستشرقین کے اس الزام کے جواب میں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ مصنف نے کارادی واکس ۱۸۶۷ (Barron Bernard Carra De Vaux) (۱۹۵۳ء) اور کارلائل جیسی مستشرقین کی آرا نقل کر کے ثابت کیا ہے۔ یہ الزام محض افترا اور کذب بیانی ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱۱)

نام کتاب : المستشرقون والاسلام نام مصنف : زکریا ہاشم زکریا
زبان : عربی تعداد صفحات : ۶۱۵
سن اشاعت : ۱۹۶۵ء

مصنف مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ اس کا آغاز اور ارتقا تاریخ میں محفوظ ہے اور اس کی کوئی سرگرمی زمانہ قبل از تاریخ سے متعلق نہیں ہے۔ اسلام کی اشاعت کسی اسلحہ، افواج اور جنگ و جدل سے نہیں ہوئی بلکہ امن و سلامتی کے پیغام، اعلیٰ اخلاقی اقدار اور تکریم انسانیت کی مرہون منت ہے۔ اس کے احکام و حقائق کو جاننے کے مصادر قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ ہے۔ مستشرقین اسلام کی اشاعت سے خوف زدہ ہو کر مسلمانوں کو ان کے اصل راستے سے ہٹا کر الحاد اور بے دینی کی جانب لانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی پوری قوت سے اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ مسلمانوں کے اندر بے دین اور گمراہ فرقوں کی پشت پناہی کرنے کے ساتھ ساتھ علمی بنیادوں پر اسلامی تعلیمات میں غیر اسلامی چیزیں داخل کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب گیارہ فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل مغربی فکر اور اسلام کے مقارنہ پر مشتمل ہے۔ دوسری فصل میں اسلامی تعلیمات کی امتیازی خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔ تیسری فصل میں مسیحیت کے ظہور اور عروج کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تحریک استشراق کے آغاز اور ارتقا پر بحث ہے۔ اس کے بعد کی فصل میں مستشرقین کی جانب سے قرآن، نبی کریم ﷺ، تعدد ازواج، معراج، حجر اسود اور مستشرقین کے دیگر

اعتراضات و دساوس کو بیان کر کے ان کی تردید کی گئی ہے۔ نویں فصل تصوف کے مباحث سے متعلق ہے۔ دسویں فصل مستشرقین کے افکار کے رد پر مشتمل ہے۔ گیارہویں فصل میں مغربی فکر اور مسلم علما پر بسیط مقالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں مغربی فکر سے متاثر ہونے والے مسلم مفکرین کی فکری لغزشوں کو بیان کر کے ان کا رد پیش کیا گیا ہے۔

(۱۲)

نام کتاب : المستشرقون والقرآن الکریم نام مصنف : ڈاکٹر محمد امین حسن محمد بنی عامر
زبان : عربی مطبع : دارالامل للنشر والتوزیع، اردن
تعداد صفحات : ۵۹۶ سن اشاعت : ۲۰۰۴ء طبع : اول

زیر نظر کتاب جیسے کہ اس کے نام سے ظاہر ہے قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات اور افتراءات کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ مصنف نے کتاب کے مقدمے میں اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی زندگیوں میں قرآن کریم کی اہمیت و ضرورت کا تذکرہ کرنے کے بعد قرآن کے معترضین کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ پہلی قسم دیگر ادیان سے متعلق رکھنے والے مستشرقین کی ہے جو اسلام کے کھلے دشمن ہیں اور اسے نقصان پہنچانے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیے ہوئے ہیں۔ دوسری قسم ان مادہ پرست ملحدین کی ہے جو کسی بھی دین کو انسانی زندگی میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ ان دونوں اقسام کے علما نے قرآن مجید پر سیکڑوں اعتراضات کیے ہیں۔ یہ اعتراضات نص قرآنی، وحی اور نزول وحی، شان نزول، ترتیب و تدوین، احکام، حفاظت، الغرض قرآن سے متعلق تمام مباحث پر ہیں۔

مصنف نے کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب استشراق کے آغاز، تاریخ، ارتقا اور تحریک استشراق کے اہداف و مقاصد سے متعلق ہے۔ دوسرے باب میں ان شبہات کا ذکر کیا گیا ہے جو مستشرقین نے قرآنی مباحث سے متعلق کیے ہیں۔ مصنف نے ان اعتراضات کا ذکر کر کے ان کا رد پیش کیا ہے۔ تیسرے باب میں بعض اسلامی احکام اور واقعات کے بارے میں شبہات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مثلاً قصہ غزائین، جہاد، جزیہ، حدود و تعزیرات، خواتین سے متعلق مسائل، تعدد ازواج، مرد کی قوامیت، طلاق، میراث وغیرہ۔

(۱۳)

نام کتاب : نور الاسلام و اباطیل الاستشراق نام مصنف : ڈاکٹر فاطمہ ہدی نجبا
زبان : عربی مطبع : دارالایمان، طرابلس، لبنان
تعداد صفحات : ۳۴۱ سن اشاعت : 1993ء طبع : اول

زیر نظر کتاب کی مصنفہ ڈاکٹر فاطمہ ہدی نجبا، مقدمتہ الكتاب میں اس عزم کا اظہار کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان جاء الحق و زهق الباطل، ان الباطل کان زهوقاً ان شاء اللہ پورا ہوگا۔ اسلام، درحقیقت نور ہے جس کا اتمام اللہ کرے گا اور مستشرقین کی اسلامی تعلیمات کو آلودہ کرنے کی ساری کوششیں ناکام

ہوں گی۔ فاضل مصنف نے استشراق کے موضوع پر کافی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ انھوں نے اس کتاب کو نو فصول میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل میں استشراق کی تعریف اور اہل مغرب پر عربی ثقافت کے اثرات بیان کئے ہیں۔ دوسری اور تیسری فصول میں تاریخ استشراق اور اس کے اثرات و اہداف پر روشنی ڈالی ہے۔ چوتھی فصل اسلام کے بارے میں مستشرقین کی غلط فہمیوں اور ان کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات سے متعلق ہے۔ پانچویں فصل میں اپنے اہداف کے حصول کے لیے مستشرقین کے جدوجہد اور طریق کار کا بیان ہے۔ چھٹی فصل میں مسلمان خواتین کے بارے میں استشراقی مطالعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ساتویں فصل استشراق اور عربی زبان کے بارے میں ہے۔ آٹھویں فصل میں مصنف بیان کرتی ہیں کہ ہم اپنے قلم سے کس طرح اپنی تہذیب و ثقافت کا احیا اور اس کے دشمنوں کے مقابلے میں اس کا دفاع کر سکتے ہیں۔ نویں فصل میں مصنف نے وہ طریق کار تجویز کیا ہے جس کے ذریعے سے مستشرقین کی ناپاک جساتوں کا دفاع کیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے انفرادیت کی حامل ہے کہ مصنف نے اس میں چند اہم ترین ضمیمہ جات بھی شامل کیے ہیں۔ منتخب اول: المستشرقون المعاصرون کے عنوان سے گزشتہ صدی میں سامنے آنے والے تمام اہم مستشرقین کا تعارف دیا ہے۔ اس فہرست میں ایک سو تین اہم مستشرقین کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے ضمیمہ میں ”الخطر من المستشرقین“ کے عنوان سے ان مخصوص مستشرقین کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو اپنی اسلام دشمنی اور مخفی عداوت کے باعث اسلام اور مسلمانوں کے لیے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان کی تعداد اکیس ہے جن میں آربری، جیوم، بیرن، گب، گولڈزپہر، جان مائٹارڈ، زویمر، عزیز عطیہ سوریال، فلپ حتی، ونسک، کینیڈتھ کراچ، لوئی میسینون، میکڈونلڈ، مارگولیوٹھ، نکسن، جوزف شاخت، ہنری ٹیمپلس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ تیسرے ضمیمہ میں ”بعض الكتب الخطيرة“ کے عنوان سے ایسی تمام کتابوں کی فہرست دی ہے جو کہ اسلام اور اس کی تعلیمات کے حوالے سے خطرناک مواد پر مشتمل ہیں۔ مثلاً ”The Encyclopaedia of Islam“ آرنلڈ نائن بی کی ”دراسة فی التاريخ“ ولیم میور کی ”حیات محمد“، ”الفرڈ جیوم کی ”الاسلام“ ڈونالڈ سن کی ”دین الشیعة“ ایس ایم زویمر کی ”الاسلام“ کینٹ کریگ کی ”دعوة المہذنة“ اے جے آربری کی ”الاسلام ایوم“ گولڈزپہر کی ”تاریخ مذاہب التفسیر الاسلامی“ اے جے ونسک کی ”عقیدۃ الاسلام“ لوئی میسینون کی ”الحجاج الصوفی الشہید فی الاسلام“ آرتھر جیفری کی ”مصادر تاریخ القرآن“ اور آریبل کی ”اصول الاسلام فی بیئۃ المسیحیة“ وغیرہ۔ (۱)

چوتھے ضمیمہ میں مستشرقین کے اہم مجلات و تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے جو خاص طور پر استشراقی مقاصد کے لیے شروع کیے گئے ہیں۔ ۱۷۸۷ء سے فرانس سے ”المجلد ال آسیویہ“ ۱۸۲۳ء سے لندن سے ”مجلد الجمعیتۃ الایسیویۃ الملکیۃ“ ۱۸۳۲ء میں امریکہ سے ”الجمعیتۃ الشرقیۃ الامریکیۃ“ اسی طرح موجودہ صدی میں امریکی ریاست اوہیو سے شائع ہونے والا ”مجلد جمعیتۃ الدراسات الشرقیۃ“ اور ”بلتہ شوون الشرق الاوسط“

(۱) نور الاسلام و اباطیل الاستشراق، ڈاکٹر فاطمہ ہدیٰ نجاد، دارالایمان، طرابلس، لبنان، ۱۹۹۳ء، ص ۳۲۰

کا ذکر کیا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک زیادہ خطرناک مجلات جو دور حاضر میں جاری ہیں وہ زویمر کا جاری کردہ مجلہ "العالم الاسلامیہ" اور فرانس سے جاری ہونے والا مجلہ (Le Monde Musulman) ہیں۔^(۱)

(۱۴)

نام کتاب : نصوص انجلیزیہ استشراقیۃ عن الاسلام نام مصنف : ڈاکٹر ابراہیم عوض
زبان : عربی تعداد صفحات : ۲۸۶ سن اشاعت : ۲۰۰۶ء
طبع : اول

زیر نظر کتاب انگریزی میں شائع ہونے والی مستشرقین کی تحریروں کا جائزہ ہے۔ مصنف نے اسلام، قرآن، نبی کریم ﷺ، حدیث، عقائد اسلام، احکام، تاریخ وغیرہ سے متعلق مستشرقین کی تحاریر کو یکجا کر دیا ہے۔ یہ تصنیف بہت مفید ہے۔ کیونکہ اس میں مصنف نے ان تحاریر کا اصل انگریزی متن بھی دیا ہے اور اس کے بعد اس کا عربی زبان میں ترجمہ پیش کیا ہے۔ مستشرقین کی علمی بددیانتی اور خیانات کے برعکس مصنف نے علمی دنیا کی رواداری اور عدم تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت عمدہ انداز میں ان ابطلات کا رد کیا ہے۔ اس مجموعے میں بہت سی تحریریں شامل ہیں۔ جن میں سے کچھ کا ذکر ہم اس مضمون میں کرتے ہیں۔ پہلی تحریر "Muhammad a pioneer of environmentalism" ہے جو کہ فرانسسکا ڈی چیٹل (Fransesca De Chatel) کی ہے۔ دوسری تحریر کا عنوان (Muhammad) ہے اور یہودی انسائیکلو پیڈیا سے لی گئی ہے۔ یہ رچرڈ گوٹھل نے لکھی ہے۔ تیسری تحریر کا عنوان ہے "Quranic Language and grammatical mistakes" ہے۔ ایک اور اہم تحریر "The myth of Moderate Islam" ہے جو "Vincenzo Olivetti" نے لکھی ہے۔ اسی طرح "Radical New Views of Islam and the Origins of the Quran" ہے جو "Alaxander Stille" نے لکھی ہے۔

مصنف نے ان اہم نصوص کا اصل متن درج کرنے کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں ان کا ترجمہ بھی درج کیا ہے جس سے اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

(۱۵)

نام کتاب : القرآن الکریم فی دراسات المستشرقین
نام مصنف : ڈاکٹر مشاق بشیر الغزالی زبان : عربی
مطبع : دار النقاش للطباعة والنشر والتوزیع، دمشق، شام
تعداد صفحات : ۲۰۱ سن اشاعت : ۲۰۰۸ء طبع : اول

یہ کتاب جیسے کہ نام سے ظاہر ہے مستشرقین کے مطالعات قرآنی کا جائزہ ہے۔ مصنف نے قرآنی

مطالعات میں مستشرقین کی بددیانتی، علمی خیانت، سوائے فہم اور عمدہ تحریف معنوی کو بیان کر کے اس کا جامع رد پیش کیا ہے۔ یہ کتاب چار فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں مشرق و مغرب کے تعلقات کے آغاز اور مشرق سے مغرب کی دلچسپی کی تاریخ کا جائزہ لیا ہے۔ اس جائزے میں اسلام کے ساتھ اہل مغرب کے ثقافتی تعلقات کے آغاز، اسلام کے بارے میں مسیحی کلیسا کے موقف اور مغرب میں اسلام کے ابتدائی تعارف پر بحث کی گئی ہے۔ اس مختصر تاریخی جائزہ کے بعد مستشرقین کے قرآنی مطالعات کے آغاز اور مختلف مراحل کا ذکر ہے۔ اس میں استشراقی عمل کے آغاز، قرآن کے پہلے ترجمہ، تاریخ قرآن اور قرآن مطالعات کے مقاصد کو بیان کیا ہے۔ مصنف نے ابو عبد اللہ زنجانی کی کتاب ”تاریخ القرآن“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن کا پہلا ترجمہ جو کہ لاطینی زبان میں ہوا، پطرس ^{طلیطلی}، ہرین ڈی ڈلماشی اور رابرٹ کیڈیٹ نے پطرس کلونی (پطرس محترم) کے کہنے پر کیا۔ یہ ترجمہ ۱۱۴۳ء میں مکمل ہوا۔ (۱)

دوسری فصل میں قرآن مجید کے نزول، وحی، کیفیت وحی، قرآن کے منزل من اللہ ہونے، جمع و تدوین، مستشرقین کے مزعومہ قرآنی نقائص، اختلاف آیات اور ترتیب قرآنی کے بارے میں مباحث ہیں۔ مصنف نے تمام اعتراضات کو بالترتیب بیان کر کے، عقلی و نقلی دلائل سے ان کا رد پیش کیا ہے۔ تیسری فصل تاریخ جمع و تدوین کے بارے میں ہے اور چوتھی فصل میں مصنف نے قرآنی نصوص پر مستشرقین کے طعن کا جائزہ لے کر ان کا ثانی جواب دیا ہے۔

(۱۶)

نام کتاب : الرد علی المستشرق جو لدتسیہر فی مطاعنہ علی القراءات القرآنیۃ

نام مصنف : ڈاکٹر محمد حسن جبل زبان : عربی

مطبع : دارالنقاش للطباعة والنشر والتوزیع، دمشق، شام

تعداد صفحات : ۱۶۴ سن اشاعت : ۲۰۰۲ء طبع : دوم

زیر نظر کتاب جرمن مستشرق گولڈزیہر کی کتاب ”مذاهب التفسیر الاسلامی“ میں بیان کردہ ہفتوات کے جائزے اور اس کے رد پر مشتمل ہے۔ گولڈزیہر نے اپنی کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ قرآن مکمل نہیں ہے اور اس میں بہت سارے تضادات بھی موجود ہیں۔ اس نے موضوع اور ضعیف احادیث اور من گھڑت روایات کا سہارا لے کر معاذ اللہ قرآن کو ناقص کتاب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف نے اس کی ان کوششوں اور پیش کردہ دعوؤں کا دقت نظر سے جائزہ لیا ہے اور ان کا رد پیش کیا ہے۔ گولڈزیہر نے قرآت قرآنیہ میں اختلاف، مصاحف میں کتابت کے فرق، احادیث کے ذریعے نصوص میں تبدیلی کے دعوے کیے ہیں۔ مصنف نے ایسے تمام دعوؤں اور مقامات کی تفصیل بیان کر کے مزعومہ دعوؤں کو باطل ثابت کیا ہے۔

(۱) القرآن الکریم فی دراسات المستشرقین، ڈاکٹر مشاق بشیر الغزالی، دارالنقاش، دمشق، ۲۰۰۸ء ص ۲۷۔

(۱۷)

نام کتاب : ردود علیٰ شبہات المستشرقین نام مصنف : یحییٰ مراد
زبان : عربی تعداد صفحات : ۸۶۱

زیر نظر کتاب استشراق کے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے۔ مصنف نے استشراق کے موضوع پر تمام مباحث کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں باب اول کے ذیل میں اسلامی ممالک میں مستشرقین کی دلچسپی اور اس کے مقاصد کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد پانچ فصول میں بالترتیب استشراق کے مفہوم، تحریک استشراق کے آغاز و ارتقاء، صحیح تبلیغی وفد اور استعماری قوتوں کے ساتھ مستشرقین کے تعلق اور استشراتی فلسفے پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے دوسرے حصے میں استشراتی مفکرین کے منتخب مباحث کا ذکر ہے۔ اس میں قرآن مجید کے بارے میں مستشرقین کے موقف، سنت نبوی ﷺ، سیرت رسول، نبوت محمدی، فقہ و شریعت، تاریخ اسلامی، اسلام کے سیاسی نظام، اجتماعی نظام، معیشت، اندلس کی اسلامی تہذیب کے بارے میں ان کی سوئے فہم پر مبنی آرا کا جائزہ لینے کے بعد ان کا رد کیا ہے۔

(۱۸)

نام کتاب : السیرۃ النبویۃ وادھام المستشرقین نام مصنف : عبدالمتعال محمد الجبری
زبان : عربی مطبع : مکتبہ وصبہ، عابدین، قاہرہ تعداد صفحات : ۱۷۷

مستشرقین کی طرف سے اسلام اور اس کی تعلیمات پر طعن اور اس میں تشکیک پیدا کرنے کی کوششوں کی تاریخ خاصی پرانی ہے۔ فاضل مصنف نے ایسی تمام کتب جن میں سیرت رسول ﷺ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان کا جائزہ لے کر باطل دعویوں کا کامل رد پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں جو اہم مباحث بیان کیے گئے ہیں ان میں کچھ یہ ہیں۔ مستشرقین نے نبی کریم ﷺ کی نبوت، وحی، قرآن کے الہامی کتاب ہونے کا انکار کیا ہے اور اس سلسلے میں مختلف دلائل پیش کیے ہیں۔ مستشرقین نے قرآن کے منزل من اللہ ہونے، اس کے اعجاز علمی و فنی اور اس کے بیانات و احکام میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے۔ مصنف نے ان تمام شبہات کا ثانی جواب پیش کیا ہے۔

خاتمۃ الحجث

مستشرقین صدیوں سے اسلام اور اس کی تعلیمات کے بارے میں اپنی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ ان کی تعداد بلا مبالغہ سیکڑوں میں ہے۔ ان کا تعلق کسی ایک ملک یا علاقے سے نہیں ہے بلکہ یہ دنیا کے مختلف ممالک اور خطوں میں مصروف عمل ہیں۔ آپس میں کسی رابطے اور تعلق کے بغیر اپنے بنیادی مقصد میں سب یکساں ہیں جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیلانا ہے لیکن جس طرح پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، اسی طرح ان مستشرقین کو ایک ہی درجے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ ان میں کچھ بہت زیادہ

متعصب اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں ان کا مقصد صرف اسلام کو بدنام کرنا ہوتا ہے اور کچھ تھوڑے بہت انصاف پسند بھی ہوتے ہیں لیکن ہمیں اس بات سے حیرت ہوتی ہے کہ بالعموم ان مستشرقین کا رویہ بھی انہی چیزوں کے بارے میں غیر جانب دارانہ ہوتا ہے جو اسلامی عقائد سے ہٹ کر ہوں۔ جب معاملہ اسلامی عقائد و نظریات کا آتا ہے تو یہ لوگ بھی بعض اوقات اپنے متعصب محققین کی تحریروں سے استفادہ کرنے لگتے ہیں اور حقیقت کی تلاش میں زیادہ جستجو نہیں کرتے۔ اس لیے ہمیں ان کی تصانیف کے مواد پر بھی من و عن یقین نہیں کر لینا چاہیے۔ تحقیق و تفتیش، دراصل مسلمانوں ہی کا ورثہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک اہم اصول دیا ہے کہ کوئی بات بغیر تحقیق کے نہ مانی جائے۔ چاہے اس کا بیان کرنے والا کتنا ہی معتبر کیوں نہ ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تَصِيبُوا قَوْمًا
بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (الحجرات ۶: ۴۹)

”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے آئے تو تم اس کی اچھی طرح سے تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے اس عمل پر نادام ہو۔“

مستشرقین کا یہ طبقہ ان متعصب یہودی اور عیسائی محققین پر مشتمل ہے جن کا بنیادی مقصد صرف اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہے۔ ان میں سے کچھ خود مغربی مفکرین کے لٹریچر کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے باعث اسلام کے خلاف کمر بستہ ہوتے ہیں اور کچھ کو یہود و نصاریٰ خصوصی طور پر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی زندگی مسلمانوں کے خلاف اور اپنے عقائد و نظریات کے فروغ کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں نے مشرق سے بھی مفید چیزیں اخذ کی ہیں۔ علمی دیانت کے برخلاف ان کے ماخذ و مصادر کو پوشیدہ رکھ کے اسے مغرب سے منسوب کیا ہے۔ اسی طرح اسلام کے خلاف اس طرح کی باتیں پھیلائی ہیں کہ عام سطحی ذہانت کا آدمی بھی معمولی کوشش سے ان میں سے مستشرقین کی بددیانتی کو ظاہر کر سکتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے اپنی تحریروں سے اسلام کو اس حد تک بدنام کر رکھا تھا کہ ان کے عوام نے ساری ہفوات کو من و عن قبول کر لیا۔ اہل مغرب نے عرب مسلمانوں سے جو کچھ حاصل کیا اسے اپنے نام سے پیش کرتے رہے۔ مسلمان سائنس دانوں کے ناموں کو بگاڑ کر ان کے مغربی ہونے کا تاثر دیا گیا۔ آج مغرب میں کوئی نہیں جانتا کہ جن اہل علم کی تحقیقات سے مغرب صدیوں تک استفادہ کرتا رہا وہ یا تو خود مسلمان تھے یا ان کو مسلمانوں سے اخذ کیا گیا تھا۔

ہمیں یہ بات جان لینی چاہیے کہ استشراق کا مفہوم صرف مشرقی علوم و معارف کا مطالعہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے پس پشت مسلمانوں کے ساتھ چودہ سو سال کی دشمنی کی تاریخ ہے جسے یہود و نصاریٰ ہرگز نہیں بھولے ہیں۔ اس تحریک کی بنیاد میں ہی مقاصد کار فرمایا ہیں۔ چاہے ان کو بظاہر علم و تحقیق کا لبادہ اوڑھ لیا جائے۔

مستشرقین کا بنیادی مقصد اسلامی علوم میں تحقیق نہیں ہے بلکہ اس سے اصل مقصود دین کے بنیادی ماخذ نبی کریم ﷺ کی ذات کو معاذ اللہ دھندلانا، ان کی نبوت کو مشکوک کرنا، صحابہ کرام کی توہین، قرآن مجید کو انسانی

کاوشوں کا شاہکار ثابت کرنا، اسلام کے چہرے کو داغ دار کرنا اور اسلامی احکام و معارف پر شکوک و شبہات کی دھند ڈالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو واضح طور پر ہدایت دے دی ہے کہ یہود و نصاریٰ ہرگز تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح سورہ بقرہ ۲: ۱۲۰ میں فرما دیا کہ تم سے ہرگز خوش نہیں ہوں گے یہود و نصاریٰ یہاں تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی نہ کرنے لگیں۔ اسی طرح سورہ آل عمران میں فرمایا کہ اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہیں خرابی پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ وہ تو وہ چیز پسند کرتے ہیں جو تمہیں ضرر دے۔ پھر سورہ ممتحنہ میں مسلمانوں پر زیادتی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کو دوست بنانے سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا یا تمہارے نکالنے میں مدد دی اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں سے بچنے اور ان کا شافی و کافی جواب دینے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اہل علم ان کی کتب کا مطالعہ کریں۔ ان کے مقاصد کو سمجھیں اور اس کے بعد ہر میسر ذریعے سے ان کا جواب دیں۔ اس مقالے میں جن کتب کا تعارف کرایا گیا ہے وہ اس سلسلے میں بہت مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔

مترجم ایک نظر میں

- نام : محمد نور الحسن خان
- والد کا نام : کرم حسین خان
- تاریخ پیدائش : ۱۱-۱۰-۱۹۸۲
- جائے پیدائش : مقام ترکولیا، پوسٹ نرائن پور، ضلع بلرام پور، یوپی، انڈیا، پین کوڈ ۲۷۱۲۰۶
- ابتدائی تعلیم : دارالعلوم عثمانیہ افضل المدارس ملدہ، ضلع بلرام پور، یوپی، انڈیا
- اسناد : عالمیت فضیلت جامعہ اشرفیہ مبارک پور
- منشی، مولوی، عالم، کامل، فاضل دینیات، فاضل ادب (الہ آباد بورڈ) اتر پردیش
- ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل، معلم (جامعہ اردو علی گڑھ)
- انٹرمیڈیٹ اتر پردیش حکومت انڈیا
- بی اے از ہریونی ورسٹی قاہرہ مصر
- ایم اے قاہرہ یونیورسٹی قاہرہ مصر
- نعمی، ازہری
- تعلیمی نسبتیں
- تصانیف : (۱) فقہ اسلامی پر مستشرقین کے شبہات کا ازالہ
- (۲) احادیث نبویہ پر استشراقی تحقیقات کا تاریخی و تنقیدی جائزہ
- (۳) تقابل ادیان (تمام غیر مطبوع)
- عربی ترجمہ : (۱) الفضل الموصی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی (۲) مقال العرفاء باعزاز شرع و علماء
- (۳) نقاء السلاف فی احکام البیعة والخلافة (مؤلف: الامام احمد رضا خان القادری)
- (۴) الاسلام والهند و سیه فی شبه القارة الهندیة (مؤلف: علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی)

(۵) نور العین فی تقبیل الایہامین (مطبوع)

(۶) بھجہ الحافل و اجمل الوسائل

للعلامة ابراهيم اللقاني (تحقیق و تخریج)

(۷) کشف الحجاب عما تورطت فیہ الاحزاب

(مؤلف: علامہ عبدالستار ہمدانی)

(۸) تنزیہ الاعتقاد عن الحلول والاتحاد

للعلامة جلال الدين السيوطي (تحقیق و تخریج)

عربی ابحاث : (۱) موقف علماء الهند من القاديانية

(۲) موقف الشيخ رحمت الله الهندي من النصارى

(۳) المنهج التجريبي عند الأطباء المسلمين

(۴) الامامية في ضوء آقوالهم ومعتقداتهم

(۵) الامام الغزالي و أفكاره الخلقية

(۶) كشف أسرار الباطنية و أخبار القرامطة

للشيخ محمد بن مالك اليماني (عرض)

(۷) الملة الفاضلة للفارابي (عرض)

(۸) المنهج النقدي عند الأطباء المسلمين

(۹) القياس بين المنطق و أصول الفقه

اردو ترجمہ : استشراق اور مستشرقین؛ ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ

تقدیم و تخریج : الطیب الوجیز فی امتعة الورق والابریز

الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذہبی

برقی رابطہ : m_noorulhasan@yahoo.com

